سماع عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مصنف:
محمد عاطف رمضان سیالوی



فرید بُک سٹال
۳۸- اُردو بازار لاہور

سماعِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مصنف:
محمد عاطف رمضان سیالوی

ناشر
فرید بک سٹال ۳۸۔اردو بازار لاہور

نام کتاب : القول المجتبیٰ فی سماعتِ مصطفیٰ ﷺ
ناشر : فرید بک سٹال، لاہور
اہتمام : حسن اعجاز گیلانی
سن اشاعت : 2016ء
ضخامت : 154 صفحات
قیمت :

فہرست

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء المرسلین اما بعد!

تمہید

یقیناً یہ امر ہر شبہ سے بالاتر ہے کہ اس کائنات ارض وسماء، جملہ موجودات و مخلوقات عالم کا خالق، مالک اور پروردگار صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے۔ وہی معبود برحق ہے۔ وہی واجب الوجود، مستقل بالذات، مستعان حقیقی اور مدبر کائنات ہے۔ ازلی، ابدی، قدیم، یکتا اور واحد لاشریک ہے۔ وہ اپنی ذات و صفات اوراحکام و افعال میں ہر قسم کے شریک و سہیم سے منزہ و پاک ہے۔ وہی اس کا مستحق ہے کہ اس کی بارگاہ میں جبیں سائی کی جائے اور جملہ حاجات طلب کی جائیں۔ اس کے ماسوا اس کائنات میں جو کچھ ہے سب اسی کے بندے اور محتاج ہیں۔ اس کا ارادہ اور منشاء کائنات کے ذرہ ذرہ میں جاری و ساری ہے۔ کوئی اس کے حکم کے مقابل و مزاحم نہیں۔ مجال نہیں کہ کوئی ذرہ یا پتا اس کے اذن و منشاء کے بغیر سرمو حرکت کرے۔ وہ خلاق عالم اور قیوم زماں ہے۔ سب مخلوق فانی ہے وہ باقی اور دائم ہے۔ سب مخلوق اپنے ہر کمال و جمال میں اس کی محتاج ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اور یہ عقیدہ عین تقاضائے توحید ہے۔ لہٰذا کوئی بھی فرد بشر اس وقت

تک مومن، مسلمان نہیں ہو سکتا اور توحید خالص کا ادراک نہیں کر سکتا جب تک ان تمام امور پر اس کا عقیدہ محکم، غیر متزلزل اور راسخ و واثق نہ ہو جائے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ بھی عین توحید خالص کا مقتضی ہے کہ اللہ رب العزت کی بخشش و عطا بے انتہا ہے۔ اس کے فضل و کرم اور الطاف و عنایات کی کوئی حد نہیں۔ وہ بے حساب نوازنے والا ہے۔ وہ وھاب، جواد اور رزاق ہے۔ لہٰذا کوئی شخص یہ عقیدہ تو رکھے کہ مالک کائنات اور خالق کائنات فقط اللہ جل مجدہ ہے لیکن اس کی عطا محدود ہے۔ وہ اپنے بندوں کو اپنی نوازشات اور الطاف و کرم سے محروم رکھتا ہے تو بجا طور پر اس کے اوپر یہ آیت کریمہ منطبق ہوتی ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ. (الانعام: 91)

ترجمہ: ''یعنی انہوں نے اللہ (ذوالمجد والعلیٰ) کی قدر نہ کی جیسی اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔''

یہی بات جب یہودیوں نے کی تو ان پر تازیانہ غضب الٰہی عزوجل برسا اور ان کو ہمیشہ کے لئے لعنت کے عمیق گڑھوں میں پھینک دیا گیا۔ حالانکہ یہودی لوگ اللہ عزوجل کی ذات و صفات اور اس کی مالکیت و خالقیت کے منکر نہ تھے مگر اس کی بے پایاں بخشش و عطا کا انکار کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ (المائدہ: 64)

ترجمہ: ''یہودیوں نے کہا: اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے (یعنی العیاذ باللہ خرچ نہیں کرتا) ان کے ہاتھ باندھے جائیں اور وہ اپنے قول کے سبب ملعون ہو گئے۔ بلکہ اس کے دست عطاء (وقدرت) کشادہ ہیں وہ جیسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔''

اس کے برعکس جو توحید اللہ رب العزت نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو تعلیم فرمائی اور جس کی ترویج و اشاعت کے لئے اللہ رب العزت نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا وہ یہ ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِیَدِکَ الْخَیْرُ ط اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. (ال عمران۔26)

ترجمہ: ''(اے حبیب مکرم ﷺ)! یوں عرض کر: اے اللہ! (عزوجل) ملک کے مالک! تو جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔ ساری بھلائی تیرے دست قدرت میں ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

اس آیت کریمہ میں واشگاف الفاظ میں توحید خالص کو بیان کیا گیا ہے کہ بلاشبہ مالک کائنات فقط اللہ جل مجدہ ہے لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اپنی سلطنت اور اپنے ملک میں تصرف و اختیار بھی عطا فرما دیتا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء کاملین رحمہم اللہ علیہم کی شان تو بہت بلند ہے۔ اس کی شان کریمی اور شان عطا کا عالم تو یہ ہے کہ وہ کافروں، معاندوں، منکروں اور سرکشوں کو بھی اپنے در سے محروم نہیں رکھتا۔ ان کو بھی کسی حد تک سلطنت، تصرف اور اختیار دے دیتا ہے۔ اگرچہ بطور امتحان و استدراج ہی سہی لیکن دیتا تو وہی ہے۔ یہاں تک کہ فرعون، نمرود اور دجال جیسے کافر جو خدا عزوجل کے بدترین دشمن ہیں اور ان میں سے ہر ایک خدائی دعوے دار ہے لیکن قرآن مجید میں صریح الفاظ میں فرما دیا:

اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْکَ. (البقرۃ۔218)

ترجمہ: ''اللہ نے نمرود کو بادشاہی دی۔''

اسی طرح فرعون کو ساری زمین پر سلطنت اور حکومت دی اور دجال جس کے بارے میں حدیث پاک میں ہے کہ اس کی آنکھوں کے درمیان ''ک، ف، ر'' یعنی کافر لکھا ہو گا۔

(صحیح بخاری: کتاب الفتن۔ باب ذکر الدجال۔ رقم الحدیث:7131، دارالکتاب العربی بیروت، صحیح مسلم: کتاب الفتن۔ باب ذکر الدجال۔ رقم الحدیث:7290۔ دارالکتاب العربی بیروت۔ جامع ترمذی: کتاب الفتن۔ باب ماجاء فی قتل عیسیٰ بن مریم الدجال۔ رقم الحدیث:2245 دارالمعرفہ بیروت، سنن ابی داؤد: کتاب الملاحم والفتن۔ باب خروج الدجال۔ رقم الحدیث:4316 دارالسلام ریاض)

اس کے تصرف واختیار کے متعلق حدیث پاک میں فرمایا:

''فیامر السماء ان تمطر فتمطر، و یامر الارض ان تنبت فتنبت.''

(صحیح مسلم: کتاب الفتن۔ باب ذکر الدجال و صفتہ۔ رقم الحدیث:7373 دارالکتاب العربی بیروت، جامع الترمذی: کتاب الفتن۔ باب ماجاء فی فتنۃ الدجال رقم الحدیث:2240 دارالمعرفہ بیروت، سنن ابی داؤد: کتاب الملاحم۔ باب خروج الدجال رقم الحدیث:4321۔ دارالسلام ریاض، سنن ابن ماجہ: کتاب فتنۃ الدجال۔ کتاب الفتن 4075۔ دارالسلام ریاض)

یعنی دجال آسمان کو برسنے کا حکم دے گا تو آسمان بارش برسائے گا اور زمین کو اگنے کا حکم دے گا تو زمین سبزہ اگائے گی۔

ایک اور حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ دجال مردہ کو زندہ کرے گا۔

فیقول الدجال: ارایت ان قتلت ھذا ثم احییته ھل تشکون فی الامر؟ فیقولون: لا،فیقتله ثم یحییه.

(صحیح بخاری: کتاب فضائل مدینۃ۔ باب لا یدخل الدجال المدینۃ۔ رقم الحدیث:1882۔ دارالکتاب العربی بیروت، صحیح مسلم: کتاب الفتن۔ باب فی صفۃ الدجال۔ رقم الحدیث:7375۔

دارالکتاب العربی بیروت، سنن کبریٰ: 4275، شرح السنۃ: 4258، مسند البزار: 3394، مسند ابو یعلٰی: 1074، مسند احمد: 11318)

یعنی دجال کہے گا کہ اگر میں اس مرد کو قتل کر دوں اور پھر زندہ کر دوں تو کیا میرے بارے میں شک کرو گے؟ تو لوگ کہیں گے کہ نہیں! تو وہ دجال اس مرد کو قتل کرے گا اور پھر اس کو زندہ کرے گا۔

اور مسلم کی دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”فیومر به فیوتر بالمنشار من مفرقه حتی یفرق بین رجلیه قال ثم یمشی الدجال بین القطعتین ثم یقول له قم. فیستوی قائما.“

(صحیح مسلم: کتاب الفتن۔ باب فی صفۃ الدجال۔ رقم الحدیث: 7377۔ دارالکتاب العربی بیروت)

یعنی ایک آدمی کے بارے میں قتل کا حکم دیا جائے گا۔ پس اس کے سر سے پاؤں تک دو حصے کر دیئے جائیں گے پھر دجال ان حصوں کے پاس جا کر کہے گا: کھڑا ہو جا تو وہ سیدھا کھڑا ہو جائے گا۔

قارئین کرام! ملاحظہ فرمائیں کہ دجال جیسے بدترین خلائق کا تصرف کیا ہے؟ وہ آسمان سے بارش برسائے گا۔ زمین سے سبزہ اُگائے گا اور مردے زندہ کرے گا، اور کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ دجال کا کوئی ذاتی تصرف ہے۔ بلکہ اسے یہ تصرف و اختیار اللہ رب العزت نے بطور استدراج دیا ہے۔ تو غور فرمائیں کہ جو کریم خدا اپنے دشمن کو بھی اس قدر وسیع سلطنت اور تصرف دے سکتا ہے۔ وہ اپنے کامل وفادار، ایمان والے بندوں کو اپنے جود و نوال اور اپنی عطا و بخشش سے کیسے محروم فرمائے گا؟ وہ وفادار بندے جو اس کی خاطر مصائب و آلام کی سختیوں میں پیکر صبر و استقامت بنے رہتے ہیں، جو اپنی تمام خواہشات، رغبات اور چاہتوں

کواس کے احکام و اوامر کی تعمیل میں قربان کر دیتے ہیں۔ جن کی زبان ہر وقت اس کے ذکر میں تر اور جن کا دل ہر وقت اس کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ جو عبادات و ریاضات اور مجاہدات کی مشقتوں کو برداشت کر کے اس کی قربت اور رضا کا مقام پا لیتے ہیں۔ کبھی اس کی خاطر پتھر بھی برداشت کرتے ہیں، کبھی گالیاں بھی سنتے ہیں۔ کبھی لہولہان بھی ہو جائیں تو ماتھے پر شکن نہیں لاتے۔ سب لوگ جب میٹھی نیند کی آغوش میں سو جاتے ہیں تو وہ شب زندہ دار اس کی محبت میں اور اس کے وصل و لقا کی طلب میں اٹھ کر اس سے مناجات کرتے ہیں۔ یہ کیسے ہوگا کہ رب دشمنوں کو تو عطا کرے لیکن اپنے پیارے اور محبوب بندوں کو محروم کر دے۔ گالیاں دینے والوں کی تو جھولیاں بھر دے لیکن اپنے نام لیواؤں کو محروم کر دے۔ اس سے بڑھ کر رب عزوجل کی شان عطا کی بے قدری اور کیا ہوگی؟ اس لیے اللہ رب العزت نے واضح طور پر کافر اور مومن کے درمیان فرق کو بیان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

1- اَفَمَنۡ كَانَ مُؤۡمِنًا كَمَنۡ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسۡتَوٗنَ.

(السجدۃ۔18)

ترجمہ: ’’کیا وہ جو ایمان والا ہے وہ اس جیسا ہو جائے گا جو نافرمان ہے، یہ برابر نہیں ہیں۔‘‘

2- اَفَنَجۡعَلُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ كَالۡمُجۡرِمِيۡنَ. مَا لَكُمۡ ۟ كَيۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ. (القلم۔35-36)

ترجمہ: ’’کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کی طرح کر دیں گے۔ تمہیں کیا ہوا، کیسا حکم لگاتے ہو۔‘‘

3- اَمۡ حَسِبَ الَّذِيۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنۡ نَّجۡعَلَهُمۡ كَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحۡيَاهُمۡ وَمَمَاتُهُمۡ ؕ

سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ. (الجاثیۃ۔21)

ترجمہ: ''کیا جنہوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں ان جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کئے کہ ان کی زندگی اور موت برابر ہو جائے۔ کتنا برا وہ فیصلہ کرتے ہیں۔''

4- اَمَّنْ ھُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا یَّحْذَرُ الْاٰخِرَۃَ وَیَرْجُوْا رَحْمَۃَ رَبِّہٖ ط قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ط اِنَّمَا یَتَذَکَّرُاُولُوا الْاَلْبَابِ. (الزمر۔9)

ترجمہ: ''کیا وہ جو فرمانبرداری میں رات کی گھڑیاں گزارے حالت سجدہ میں اور حالت قیام میں۔ آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب (عزوجل) کی رحمت کا امیدوار ہو (کیا وہ نافرمانوں جیسا ہو جائے گا) (اے حبیب مکرم ﷺ)! آپ فرما دیجئے کیا برابر ہیں جاننے والے اور جاہل؟ نصیحت وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں۔''

اور کئی مقامات پر اللہ رب العزت نے اپنی رحمت، کرم اور فضل کے عموم و شمول کو بیان فرمایا۔ بالخصوص مومنین کاملین پر اپنی لازوال بخشش، فضل عظیم اور غیرفانی عطا کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

1- فَقُلْ رَّبُّکُمْ ذُوْ رَحْمَۃٍ وَّاسِعَۃٍ . (الانعام۔147)

ترجمہ: ''(اے حبیب مکرم ﷺ) فرما دیجئے کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے۔''

2- وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ . (الاعراف۔156)

ترجمہ: ''اور میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے۔''

3- رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَۃً وَّ عِلْماً. (غافر۔7)

ترجمہ: ''اے ہمارے رب! (عزوجل) تیری رحمت اور تیرے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔''

4- مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ. (النحل۔96)

ترجمہ: ''جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونے والا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی اور لازوال ہے۔''

5- هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ. (ص۔39)

ترجمہ: ''یہ ہماری بغیر حساب کے عطا ہے تو چاہے تو احسان کر یا روک رکھ۔''

6- اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ. (ص۔54)

ترجمہ: ''بے شک یہ ہمارا رزق ہے جس کو کبھی فنا نہیں۔''

7- اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ. (ال عمران۔37)

ترجمہ: ''بے شک اللہ (عزوجل) جس کو چاہتا ہے۔ بغیر حساب کے روزی دیتا ہے۔''

8- اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ. (الزمر۔10)

ترجمہ: ''صبر کرنے والوں کو بغیر حساب کے اجر دیا جائے گا۔''

9- اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ.
(الانشقاق۔25)

ترجمہ: ''مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کے لئے وہ ثواب ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔''

10- وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا.
(الاحزاب۔47)

ترجمہ: ''(اے حبیب مکرم ﷺ) آپ مومنین کو بشارت دے

دیجئے کہ بے شک ان کے لئے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۔"

اسی طرح رب جل جلالہ کی وسعت عطا کے تصور کے لئے یہ حدیث بھی پیش نظر رہے جس میں رب تعالیٰ کے آخری جنتی کو جو جہنم سے سزا پا کر جنت میں پہنچا اس کو اس زمین جتنا دس گنا حصہ جنت میں عطا فرمانے کا ذکر ہے۔ اور وہ سارا حصہ حور و غلمان، محلات، باغات اور نعمتوں سے بھرا ہوا ہوگا۔ جس میں اس کو کلی اختیار ہوگا۔ اور اس کو ہمیشہ کے لئے اس کا مالک بنا دیا جائے گا۔ چنانچہ حدیث پاک میں الفاظ ہیں۔

فیقول هذا لک و عشرة امثاله".

(صحیح مسلم: کتاب الایمان۔ باب ادنی اهل الجنة منزلة فیها۔ رقم الحدیث:465۔ دارالکتاب العربی بیروت، سنن الترمذی: کتاب تفسیر القرآن۔ باب۔ ومن السجدة۔ رقم الحدیث: 3198۔ دارالمعرفہ بیروت)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ اس آخری اوز ادنیٰ درجہ کے جنتی کو فرمائے گا کہ زمین جتنا بلکہ اس کا دس گنا حصہ تیرے لئے ہیں۔"

ایک اور حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

"عن ابن عمر رضی الله عنهما یقول. قال رسول الله ﷺ: ان ادنی اهل الجنة منزلة لمن ینظر الی جنانه و ازواجه و نعیمه و خدمه و سرره الف سنة".

(سنن الترمذی: کتاب صفة الجنة، باب ما جاء فی رؤیة الرب عزوجل، رقم الحدیث:2553۔ دارالمعرفہ بیروت، مسند احمد: مسند المکثرین۔ مسند عبداللہ بن عمر جلد 3 صفحہ 224۔ رقم الحدیث:5441۔ دارالکتب العلمیة بیروت)

ترجمہ: "بے شک ادنیٰ جنتی کی منزلت یہ ہوگی کہ وہ اپنی جنتوں، بیویوں، نعمتوں، خادموں اور تختوں کی طرف ایک ہزار سال

کی مسافت سے دیکھ رہا ہوگا۔“

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ ایک ادنیٰ درجے کا جنتی جو جہنم سے اپنی سزا بھگت کر جنت میں پہنچا جو یقیناً گناہ گار ہوگا اور کچھ بعید نہیں کہ وہ سابقہ امتوں میں سے ہو۔ اس پر رب عزوجل کی عطا و بخشش کا یہ عالم ہے کہ اس کو اس زمین جتنی دس گنا زمینوں جتنی جگہ عطا کی جائے گی اس کو اس زمین کا مالک بنا کر اختیار دیا جائے گا اور یقیناً اس کی جنت کے دائرہ کار کے مطابق اس کی رؤیت و بصارت اور سماعت کو بھی وسیع کر دیا جائے گا۔ تو اگر ایک ادنیٰ درجے کے جنتی پر اللہ عزوجل کی عطا کا یہ عالم ہے تو پھر کامل جنتی، متقی اور خدا عزوجل کے ولی کے لئے کیا کچھ نہیں ہوگا۔ اس کی جنت، اس کے اختیارات و تصرفات اور اس کی رؤیت و بصارت کی وسعت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے، اور پھر انبیاء والمرسلین ﷺ پر اللہ رب العزت کے فضل و کرم، وسعت عطا اور ان کے تصرفات و اختیارات اور ان کی وسعت بصارت و سماعت کا تو ادراک ہی ناممکن ہے۔ جس محبوب ﷺ کو اللہ رب العزت نے عالم بیداری میں اپنے حسن و جمال اور انوار تجلیات کا مشاہدہ کروایا جن کو اپنی ذات و صفات کا مظہر کامل اور برہان اتم بنایا۔ جو اس کائنات میں خدا عزوجل کی ذات تک رسائی کے وسیلہ عظمیٰ اور برزخ کبریٰ ہیں۔ جن کے سر انور پر رحمۃ اللعالمین اور خاتم النبیین کا تاج سجا اور جن کے بارے میں اللہ رب العزت نے اعلان فرمایا:

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً. (النساء۔113)

ترجمہ: ”(اے حبیب مکرم ﷺ) آپ پر اللہ (جل مجدہ) کا عظیم فضل ہے۔“

اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْراً. (الاسرآء۔87)

ترجمہ: ”(اے محبوب ﷺ)! آپ پر تو اللہ (جل مجدہ) کا

بہت بڑا فضل ہے۔''

اللہ رب العزت جس فضل کو صفت ''کبیر'' اور ''عظیم'' کے ساتھ موصوف فرمائے اس کی وسعت، جامعیت اور معنویت کا کون احاطہ و ادراک کر سکتا ہے؟ ایک مقام پر اپنے حبیب مکرم ﷺ کی علومرتبت اور آپ ﷺ پر اپنی شان عطا کو غایت اعجاز و ایجاز کے ساتھ ارشاد فرمایا:

اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ. (الکوثر۔1)

ترجمہ: ''(اے حبیب ﷺ) بے شک ہم نے آپ کو کوثر کا مالک بنا دیا ہے۔''

اس لفظ کوثر میں عظمت و رفعت و کمال مصطفیٰ ﷺ کے بحر ذخائر پوشیدہ و پنہاں ہیں، اور یہ لفظ اپنے جلو میں جملہ خیرات و حسنات، ہر قسم کی حسی و معنوی، ظاہری و باطنی اور دنیوی و اُخروی نعمتوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ چنانچہ حبر ھذہ الامۃ حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما لفظ کوثر کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

''الکوثر الخیر الکثیر الذی اعطا اللّٰہ ایاہ''.

(صحیح بخاری: کتاب الرقاق۔ باب فی الحوض۔ رقم الحدیث:6578۔ دارالکتاب العربی بیروت۔ صحیح بخاری: کتاب التفسیر۔سورۃ انا اعطینک الکوثر۔ رقم الحدیث:4966 دارالکتاب العربی بیروت)

ترجمہ: ''لفظ کوثر سے مراد ہر قسم کی خیر کثیر ہے۔ جو اللہ رب العزت نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو عطا فرمائی ہے۔''

ملاحظہ فرمائیں کہ رب تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو کتنا نوازنے اور عطا کرنے والا ہے۔ وہ اپنے حبیب پر کتنا مہربان ہے۔ اپنے حبیب سے کتنی محبت فرماتا ہے۔ اپنے حبیب ﷺ کا کتنا اعزاز و اکرام فرماتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کائنات ارض وسماء میں بے شمار مخلوق، انبیاء، ملائکہ، جن و انس ایسے ہیں جن کو اللہ

رب العزت نے ان کے حسب مراتب مقام اور قربت عطا فرمائی۔ لیکن جیسی علومرتبت، شان، منزلت، مقام، وجاہت اور قربت و وصل اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرمائی، کائنات میں کسی ایک فرد کو بھی اللہ رب العزت نے ایسی شان و مقام نہیں عطا فرمایا۔ چنانچہ حضرت خواجہ صالح بن مبارک بخاری خلیفہ مجاز خواجہ خواجگان سیدنا بہاؤ الدین نقشبند رضی اللہ عنہ ''انیس الطالبین'' صفحہ 9 پر لکھتے ہیں:

''اجماع اہل تصوف است کہ صدیقیت نزدیک ترین مقامے و مرتبہ ایست بہ نبوت وسخن سلطان العارفین ابو یزید بسطامی قدس سرہ العزیز است کہ آخر نہایت صدیقاں اول احوال انبیاء علیہم السلام است و از کلمات قدسیہ ایشان است کہ نہایت مقام عامہ مومناں بدایت مقام اولیاء است و نہایت مقام اولیاء بدایت مقام شہیداں است و نہایت مقام شہیداں بدایت مقام صدیقاں است و نہایت مقام صدیقاں بدایت مقام انبیاء است و نہایت مقام انبیاء علیہم السلام بدایت مقام رسل کرام است نہایت مقام رسل بدایت مقام اولوالعزم است و نہایت مقام اولوالعزم بدایت مقام مصطفےٰ ﷺ است و مقام مصطفےٰ ﷺ را نہایت پیدا نیست جز حق جل و علا کسی نہایت مقام وے ﷺ را نداند۔'' (انیس الطالبین۔ص 9)

ترجمہ: ''صوفیاء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ نبوت کے سب سے زیادہ نزدیک مقام و مرتبہ صدیقیت ہے اور سلطان العارفین ابو یزید بسطامی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ صدیقوں کے مقام کی نہایت نبیوں کے مقام کی ابتداء ہے اور انہی کے کلمات قدسیہ میں سے ہے کہ عام مومنین کے مقام کی انتہا و غایت اولیاء کے مقام کی ابتداء اور اولیاء کے مقام کی غایت و انتہا شہیدوں کے مقام کی ابتداء، اور شہیدوں

کے مقام کی غایت، صدیقوں کے مقام کی ابتداء اور صدیقوں کے مقام کی غایت، نبیوں کے مقام کی ابتداء ہے، اور نبیوں کے مقام کی انتہاء رسولوں کے مقام کی ابتداء ہے، اور رسولوں کے مقام کی غایت، اولوالعزم کے مقام کی ابتداء ہے، اور اولوالعزم کے مقام کی غایت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقام کی ابتداء ہے، اور حضرت محمد ﷺ کے مقام کی کوئی انتہا نہیں۔ حق تعالیٰ کے سوا کوئی آپ کے مقام کی انتہاء کونہیں جانتا۔"

امام العلامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب "الشفاء" میں رقم طراز ہیں کہ:

"لا خفاء علی من مارس شیئا من العلم. اوخص بادنیٰ لمحة من فهم بتعظيم اللّٰه تعالیٰ قدر نبينا عليه الصلوٰة والسلام، و خصوصه اياه بفضائل و محاسن و مناقب لا تنضبط لزمام و تنويهه من عظيم قدر بما تكل عنه الالسنة والاقلام."

(الشفاء: القسم الاول فی تعظیم العلی الاعلی لقدر ھذا النبی المصطفیٰ ﷺ قولا وفعلا۔ ص 11 دار ابن حزم بیروت)

ترجمہ: "یہ بات اس شخص پر بالکل مخفی نہیں جس کو ذرہ بھر علم سے لگاؤ ہے یا فہم کے ادنیٰ لمحہ سے مخصوص ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کے مرتبہ اور شرف کو معظم کیا، اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی مکرم ﷺ کو ایسے فضائل ومحاسن اور مناقب سے مخصوص کیا کہ ضبط کی جدوجہد کرنے والا حصر نہیں کر سکتا اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کے قدر عظیم کو اتنا بلند فرمایا کہ اس کے بیان کرنے سے

زبانیں اور قلمیں عاجز ہیں۔"

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا:

"افہام خلائق در کمالات انبیاء علیہم السلام حیران و انبیاء علیہم السلام در ذات وے ﷺ کمالات انبیاء علیہم السلام محدود و معین است وخیال و قیاس رابدرک کمال وے ﷺ راہ نہ بود۔"

(مرج البحرین وصل۔12)

ترجمہ: "تمام مخلوق کی افہام وعقول انبیاء علیہم السلام کے کمالات میں حیران ہیں۔ جبکہ انبیاء علیہم السلام کمالات مصطفیٰ کریم ﷺ میں حیران ہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے کمالات و معجزات محدود و معین ہیں، لیکن ذات مصطفیٰ ﷺ کے کمالات، معجزات، فضائل و مناقب، محامد و محاسن محدود و معین ہونے سے بلند ہیں اور خیال و قیاس کو کمالات مصطفیٰ ﷺ کے ادراک کی کوئی راہ نہیں۔"

نیز ابن تیمیہ نے لکھا:

"کان ﷺ من ربه بالمنزلة العليا التی تقاصرت العقول والالسنة عن معرفتها و نعتها"

(الصارم المسلول: ص26۔ دارالجیل بیروت)

"حضور نبی مکرم ﷺ اپنے رب کریم جل مجدہ کی بارگاہ میں اس بلند مقام و مرتبہ پر فائز ہیں کہ عقلیں اور زبانیں اس کی معرفت اور توصیف سے قاصر و عاجز ہیں۔"

سو جس محبوب ﷺ کی وجاہت و منزلت اور مقام و مرتبہ اللہ جل مجدہ کی بارگاہ میں اتنا بلند ہے اس محبوب پر اللہ رب العزت کے جود و نوال اور عنایات و نوازشات کا عالم کیا ہوگا؟

وضاحت عقیدہ

قارئین کرام! اس مختصر سی تمہید کو سمجھنے کے بعد یہ جان لیں کہ اللہ رب العزت کے ان بے پایاں الطاف و اکرام اور انعامات و احسانات میں سے ایک فضل عظیم اور نعمت عظمیٰ جو اس نے اپنے حبیب مکرم محمد مصطفیٰ ﷺ کو عطا فرمائی وہ یہ کہ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کی سماعت کے دائرہ کار کو وسیع فرما دیا۔ مشرق و مغرب، شمال و جنوب اور تحت و فوق کی وسعتوں کو سماعت مصطفےٰ ﷺ کے لئے محدود فرما دیا۔ آقا کریم ﷺ جس طرح قریب کی آواز کو سماعت فرماتے اسی طرح باذن اللہ دور کی آواز کو سماعت فرماتے۔ اللہ رب العزت نے جس طرح آپ ﷺ کو ذات اور ہر صفت میں یکتا، منفرد، بے مثل، بے نظیر اور شان اعجازی کا حامل بنایا اسی طرح آپ ﷺ کو آپ کی صفت سماعت میں بھی بے مثل، بے نظیر اور یکتا و منفرد بنا دیا۔ کائنات میں کسی مخلوق کی سماعت کا دائرہ کار اتنا وسیع نہیں جتنا بفضلہٖ تعالیٰ مصطفےٰ جان رحمت ﷺ کی سماعت کا دائرہ کار وسیع ہے۔ آج بعد از وصال بھی حضور اقدس ﷺ اپنی قبر انور میں امت کی التجائیں، التماسات اور صلوٰۃ وسلام کو سماعت کرتے ہیں۔ اپنی امت کے احوال و اعمال کا مشاہدہ و معائنہ فرماتے ہیں۔ اور کیوں نہ ہو کہ حضور اقدس ﷺ کی سماعت اللہ رب العزت کی صفت سماعت کی مظہرِ اتم ہے۔ لیکن یہاں یہ بات توجہ کے قابل ہے کہ اللہ رب العزت کہ صفت سماعت اور حضور اکرم ﷺ کی صفت سماعت میں متعدد وجوہ سے فرق ہے

جن کو نظرانداز کرنے کی وجہ سے مغالطہ، اختلاف و انتشار اور مباحثہ و مجادلہ تک نوبت آتی ہے وہ یہ کہ:

1- اللہ رب العزت کی صفت سماعت قدیم ہے یعنی ہمیشہ سے ہے۔ جبکہ حضور اقدس ﷺ کی صفت سماعت حادث ہے یعنی پہلے نہیں تھی۔ بعد میں ہوئی جس طرح حضور اقدس ﷺ کی ذات حادث ہے۔

2- اللہ رب العزت اپنی صفت سماعت میں مستقل ہے یعنی کسی کا محتاج نہیں۔ جبکہ حضور اقدس ﷺ اپنی ذات و صفات کی طرح اپنی صفت سماعت میں بھی اللہ عزوجل کے محتاج ہیں۔

3- اللہ رب العزت کی صفت سماعت ذاتی ہے یعنی کسی کی عطا سے نہیں جبکہ حضور اقدس ﷺ کی صفت سماعت ذاتی نہیں بلکہ اللہ رب العزت کی عطا، توفیق اور اذن سے ہے۔

4- اللہ رب العزت کی صفت سماعت لامحدود، لامتناہی ہے۔ جبکہ حضور اقدس ﷺ کی صفت سماعت اپنی وسعت کے باوجود محدود اور متناہی ہے۔

5- اللہ رب العزت کی صفت سماعت ممتنع التبدل ہے یعنی اللہ رب العزت کی صفت کا انقطاع یا سلب ممکن نہیں جبکہ حضور اقدس ﷺ کی صفت سماعت ممکن التبدل ہے۔

6- حضور اقدس ﷺ کا سننا آلہ سمع یعنی کان مبارک سے ہے جبکہ اللہ عزوجل اپنی صفت سماعت میں آلات کی احتیاج سے پاک ہے۔

7- اللہ رب العزت کا سننا یقینی اور قطعی ہے، اور اللہ رب العزت کی سماعت نے موجودات و مخلوقات کے ہر فرد کی آواز کا بروجہ اتم احاطہ کیا ہوا ہے جبکہ حضور اقدس ﷺ کا دور سے سننا ظنی ہے۔ عین ممکن ہے کہ اللہ رب العزت آپ ﷺ کو دور کی آواز کسی مصلحت و حکمت سے نہ سنوائے یا

آپ کی توجہ اس سے ہٹا دے۔

ان تمام فروق ظاہرہ متعددہ کا لحاظ کر کے کسی کا یہ کہنا کہ حضور اقدس ﷺ دور کی آواز اللہ عزوجل کی توفیق و اذن سے سماعت فرماتے ہیں اور یہ سماعت بھی آپ کی ذاتی نہیں بلکہ اللہ جل مجدہ کی عطا سے ہے تو اس میں کیا شرعی استحالہ لازم آتا ہے؟ یا یہ عقیدہ توحید خالص کے منافی کس طرح ہوسکتا ہے؟ جبکہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اللہ رب العزت نے بھی ان فروق کا لحاظ رکھا ہے۔ اور اگر وہ لحاظ نہ ہوتو پھر روئے زمین پر کوئی بندہ مسلمان نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ. (بنی اسرائیل۔ 1)

ترجمہ: ’’بے شک اللہ ہی سمیع و بصیر (یعنی سننے والا اور دیکھنے والا) ہے۔‘‘

اسی طرح یہ بھی قرآن کی آیت ہے جس میں اللہ عزوجل نے انسان کو سمیع و بصیر فرمایا۔

فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا. (الدھر۔ 2)

ترجمہ: ’’پس ہم نے انسان کو سمیع و بصیر (یعنی سننے والا اور دیکھنے والا) بنا دیا۔‘‘

یہاں صفت ’’سمیع و بصیر‘‘ میں لفظی اشتراک کے باوجود ذاتی و عطائی اور استقلال و عدم استقلال کا نمایاں فرق ہے۔ جس کی وجہ سے یہ توحید خالص کے منافی نہیں۔ بلکہ عین تقاضائے توحید ہے۔ ایک اور مقام پر اللہ جل مجدہ نے فرمایا:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا. (الزمر۔ 42)

ترجمہ: ’’موت کے وقت اللہ ہی جانوں کو وفات دیتا ہے۔‘‘

یہاں ’’یتوفی‘‘ فعل کا فاعل اللہ جل مجدہ ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ رب

العزت نے ''یتوفی'' فعل کا فاعل ملک الموت علیہ السلام کو قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا:

قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ.

(السجدۃ۔11)

ترجمہ: ''(اے حبیب مکرم ﷺ) فرما دیجئے: تمہیں موت کا فرشتہ وفات دیتا ہے جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔''

یہاں اس کے سوا اور کیا توجیہہ ہو سکتی ہے کہ اللہ رب العزت ''یتوفی'' فعل کا فاعل حقیقی ہے۔ جبکہ ملک الموت علیہ السلام اس کے اذن اور اس کی عطا کردہ توفیق سے فوت کرتے ہیں۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَنَّہٗ یُحْیِ الْمَوْتٰی. (الحج۔6)

ترجمہ: ''اور بے شک اللہ (رب العزت) ہی مردے زندہ کرتا ہے۔''

اور ایک مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ. (ال عمران۔49)

ترجمہ: ''(حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ) میں مردے زندہ کرتا ہوں اللہ کے اذن سے۔''

اللہ جل مجدہٗ رؤف و رحیم ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ. (البقرۃ۔143)

ترجمہ: ''بے شک اللہ لوگوں پر رؤف (نہایت مہربان) اور رحیم (یعنی بے حد رحم کرنے والا) ہے۔''

اور اس نے اپنے حبیب ﷺ کو بھی رؤف اور رحیم فرمایا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ. (التوبۃ۔128)

ترجمہ: ''(میرے حبیب ﷺ) ایمان والوں پر رؤف اور رحیم ہیں۔''

بیٹے بیٹیاں اللہ رب العزت عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثاً وَّ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَ.

(الشوریٰ۔ 49)

ترجمہ: ''اللہ (جل مجدہ) جسے چاہے لڑکی عطا فرماتا ہے اور جسے چاہے لڑکا عطا فرماتا ہے۔''

حضرت جبرائیل علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا:

قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِاَهَبَ لَکِ غُلَاماً زَکِیّاً.

(مریم۔ 19)

ترجمہ: ''(حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم سے) فرمایا کہ میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں، میں اس لئے آیا ہوں تاکہ تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔''

یہ بطور نمونہ چند آیات ہیں۔ وگرنہ قرآن مجید میں اس طرح کی بہت مثالیں موجود ہیں جن کا یہاں احاطہ کرنا مقصود نہیں بلکہ یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ قرآن مجید میں بظاہر اللہ کی صفت اور بندوں کی صفت میں لفظاً اشتراک معلوم ہوتا ہے لیکن ان میں معنوی طور پر یہ فرق کیا گیا کہ اللہ رب العزت کی تمام صفات حقیقی و ذاتی ہیں اور وہ اپنی ان تمام صفات میں مستقل ہے۔ لیکن بندوں کی صفات مجازی و عطائی ہیں اور وہ اپنی ان تمام صفات میں غیر مستقل ہیں تو یہی عقیدہ عین ایمان رہا اور توحید خالص میں بھی سر مو فرق نہ آیا تو جب یہی فرق اللہ رب العزت کی سماعت اور حضور اقدس ﷺ کی صفت سماعت میں ملحوظ رہے گا تو بھی توحید میں فرق نہیں آئے گا۔ چنانچہ رشید احمد گنگوہی نے ان اشعار

یا رسول اللہ انظر حالنا　　　　یا نبی اللہ اسمع قالنا

اور

یا أکرم الخلق مالی من الوذبہ　　　سواک عند حلول الحادث العمم

(قصیدہ بردہ شریف)

کے متعلق فتاویٰ رشیدیہ میں لکھا ہے:

''یہ خود معلوم آپ کو ہے کہ نداء غیر اللہ تعالیٰ کو کرنا دور سے شرک حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم، سامع مستقل عقیدہ لے ورنہ شرک نہیں (یعنی اگر ان کو ان صفات میں غیر مستقل سمجھتا ہے۔ عاطف) مثلاً یہ جانے کہ حق تعالیٰ ان کو مطلع فرما دے گا یا باذنہ تعالیٰ انکشاف ان کو ہو جائے گا یا باذنہ تعالیٰ ملائکہ پہنچا دیں گے جیسا کہ درود کی نسبت وارد ہے یا محض شوقیہ کہتا ہو، محبت میں یا عرض حال محل تحسر وحرمان میں کہ ایسے مواقع میں اگرچہ کلمات خطابیہ بولتے ہیں لیکن ہرگز نہ مقصود اسماع ہوتا ہے نہ عقیدہ۔ پس ان ہی اقسام سے کلمات مناجات و اشعار بزرگان کے ہوتے ہیں کہ فی حد ذاتہ نہ شرک نہ معصیت۔''

(فتاویٰ رشیدیہ: ص 154۔ کارخانہ اسلامی کتب۔ دستگیر کالونی۔ کراچی)

قرآنی آیات اور فتاویٰ رشیدیہ کی اس عبارت سے امس وشمس کی طرح واضح ہو گیا کہ انبیاء و اولیاء کی سماعت کے متعلق اگر یہ عقیدہ ہو کہ وہ اپنی سماعت میں غیر مستقل ہیں اور ان کی سماعت اللہ عزوجل کی توفیق، عطا اور اذن کے ساتھ ہے تو یہ توحید خالص کے منافی نہیں۔ بلکہ عین تقاضائے توحید ہے۔

اگرچہ اس کتاب کا مرکزی اور بنیادی موضوع حضور اقدس ﷺ کے سماع عن البعید کو دلائل و براہین سے ثابت کرنا ہے، لیکن اس مسئلہ کو تقریب الی الفہم کے

لئے ہم تین حصوں میں منقسم کرتے ہیں۔

1- کیا اللہ رب العزت کسی کو دور کی آواز سنانے پر قادر ہے؟

2- کیا اللہ رب العزت نے حضور اقدس ﷺ کے سوا کسی اور کو بھی دور سے سننے کی صفت عطا فرمائی ہے؟

3- کیا اللہ رب العزت نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو دور سے سننے کی قوت اور طاقت عطا فرمائی ہے؟

تیسری شق اگرچہ دوسری شق ہی سے ثابت ہوجائے گی کیونکہ جب حضور اقدس ﷺ کے علاوہ دوسری مخلوق کا سننا ثابت ہو جائے گا تو حضور اقدس ﷺ کا دور سے سننا ازخود ثابت ہوگا۔ اس لئے کہ تمام مخلوق آقا کریم ﷺ کی امت میں شامل ہے۔ اور یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک کمال امتی کو نصیب ہوجائے اور نبی اس کمال سے محروم رہے۔ جبکہ حضور اقدس ﷺ مخلوق کے ہر کمال میں واسطہ عظمیٰ اور برزخ کبریٰ ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کی وساطت کے بغیر کسی کو کمال میسر نہیں آتا۔ چنانچہ مشہور حدیث ملاحظہ کریں:

''انما انا قاسم و اللّٰہ یعطی''.

(صحیح بخاری: کتاب العلم۔ باب من یرد اللہ بہ خیراً۔ رقم الحدیث:71، دارالکتاب العربی بیروت۔ صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1037، سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 221۔ مسند احمد: رقم الحدیث: 16834، مسند ابویعلی: 7381۔ المعجم الکبیر: 860)

ترجمہ: ''بےشک اللہ جل مجدہ مجھے عطا فرماتا اور میں تقسیم کرتا ہوں۔''

حسین احمد ٹانڈوی نے لکھا.....

''یہ جملہ حضرات (یعنی اکابرین دیوبند) ذات حضور پرنور ﷺ کو ہمیشہ سے اور ہمیشہ تک واسطہ فیوضات الٰہیہ و میزاب رحمت غیر متناہیہ اعتقاذ کئے ہوئے بیٹھے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ازل سے

ابد تک جو رحمتیں عالم پر ہوئی ہیں اور ہوں گی عام ہے کہ وہ نعمت وجود کی ہو یا اور کسی قسم کی ان سب میں آپ کی ذات پاک اسی طرح واقع ہوئی ہے کہ جیسے آفتاب سے نور چاند میں آیا ہو۔ اور چاند سے نور ہزاروں آئینوں میں غرض کہ حقیقت محمدیہ ﷺ واسطہ جملہ کمالات عالم و عالمیاں ہیں۔ یہی معنی "لولاک لما خلقت الافلاک" اور "اول ما خلق اللّٰہ نوری" اور "انا نبی الانبیاء" وغیرہ کے ہیں۔ اس احسان و انعام عام میں جملہ عالم شریک ہیں علاوہ اس کے آپ کی ذات مقدس کو ارواح مومنین سے وہ خاص نسبت ہے کہ جس کی وجہ سے آپ باپ روحانی جملہ مومنین کے ہیں اور یہ احسان بھی ابتداء عالم سے آخر تک کے مومنین کو عام ہے۔ علاوہ اس کے مومنین امت مرحومہ کے ساتھ ماسوا اس کے اور بھی خاص علاقہ ہے جو کہ اور امم کے مومنین کو نہیں۔"

(شہاب ثاقب: ص190۔ ادارہ تحقیقات اہلسنّت، لاہور)

نیز حسین احمد ٹانڈوی نے قاسم نانوتوی کے اشعار قصائد قاسمی سے نقل کئے۔

تو فخر کون و مکان زبدہ زمین و زماں
امیر لشکر پیغمبران شہ ابرار
جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں
تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار
جلو میں تیرے سب آئے عدم سے تا بوجود
بجا ہے تم کو اگر کہیے مبدء الاثار

(قصائد قاسمی بحوالہ شہاب ثاقب ص190-191)

باب اول

سماع عن البعید کا امکان

اللہ جل مجدہ کی قدرت کاملہ سے استدلال

آج کے دور میں سائنس کا دائرہ ارتقاء نقطہ کمال پر ہے۔ جدید ٹیکنالوجی اور سائنس نے وہ بہت سے معاملات جن کو چند سال پہلے ناممکن اور محال سمجھا جاتا تھا ان کو نہ صرف یہ کہ ممکن ثابت کیا بلکہ تجرباتی اور مشاہداتی سطح پر اس حقیقت کو وقوع پذیر کر کے دکھایا۔ آج سے تقریباً دو صدی پہلے سماع عن البعید یعنی دور سے سننے کا عقل انسانی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ آج موبائل، ٹیلی فون، ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ اور سیٹلائٹ کے ذریعے مشرق کی آواز کو مغرب اور مغرب کی آواز کو مشرق، شمال کی آواز کو جنوب اور جنوب کی آواز کو شمال تک پہنچانے میں کوئی استحالہ نہیں۔ آپ اپنے گھر بیٹھے امریکہ اور برطانیہ میں موجود انسان سے بآسانی کلام کرتے ہیں۔ راقم الحروف کو بحمداللہ تعالیٰ 21 اپریل 2008ء میں حرمین شریفین کی سعادت میسر آئی۔ (خدایا ایں کرم بار دگر کن) وہاں پاکستان سے دوست و احباب اور تعلق والوں کا فون آتا تو باوجودیکہ ہزاروں حجابات و موانع ہیں۔ ایک بہت بڑا سمندر ہے۔ ریگستان و ریگزار ہیں۔ لیکن آواز اس طرح صاف وہاں پر پہنچتی کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے آمنے سامنے بالکل قریب بیٹھ کر بات کر رہے ہیں۔ اسی طرح آپ گھر بیٹھے ٹیلی ویژن کے ذریعے برطانیہ، ساؤتھ افریقہ، انڈیا وغیرہ میں ہونے والے کرکٹ میچ بآسانی دیکھتے ہیں۔ وہاں کی آواز کو سنتے ہیں حالانکہ آپ کے اور اس میدان کے

درمیان ہزاروں میل کا فاصلہ ہے اور سائنس دان جب اپالو 11 کے ذریعے چاند پر پہنچے تو انہوں نے چاند پر پہنچ کر امریکہ میں اپنے مرکز کے ساتھ رابطہ کیا۔ انہوں نے وہاں سے کلام کیا۔ انہوں نے یہاں پر سنا۔ انہوں نے یہاں سے کلام کیا تو انہوں نے وہاں سے سنا۔ حالانکہ زمین اور چاند کے درمیان دو لاکھ چالیس ہزار میل کا فاصلہ ہے۔ غور فرمائیں کہ وہ انسان جس کی حقیقت ایک مشت خاک اور نطفہ آب سے بڑھ کر نہیں۔ اگر یہ انسان اللہ جل مجدہ کی دی ہوئی صلاحیت و استعداد اور عقل و شعور کے ذریعے اتنا کمال دکھا سکتا ہے۔ تو کیا اللہ جل مجدہ کسی انسان کو دور کی آواز سنانے پر قادر نہیں؟ اس سے بڑھ کر خدا عزوجل کی قدرت کی بے قدری اور کفر و ارتداد کیا ہوگا کہ بندہ اللہ رب العزت کو دور کی آواز سنوانے سے عاجز سمجھے العیاذ باللہ تعالیٰ جس ذات نے محض اپنے امر کن سے زمین و آسمان، عرش و کرسی، لوح و قلم، جنت و دوزخ، بر و بحر، کوہ و کوہسار، اشجار و جبال، جنات، انسان، ملائکہ اور بے شمار مخلوق کو پیدا فرمایا۔ ان کے ارزاق اور سامان معیشت کو اس قدر فراوانی سے پیدا فرمایا۔ سمندروں کو مسخر کیا۔ زمین و آسمان کے درمیان اتنا بڑا سورج، چاند اور بے شمار ستارے مسخر و معلق فرمائے۔ سوچئے ایسے قادر مطلق کی قدرت کاملہ سے کیا بعید ہے کہ وہ اپنے کسی بندہ کو دور کی آواز سننے کی طاقت و قوت عطا فرمائے؟ چنانچہ قرآن مجید میں کئی مقامات پر اللہ رب العزت نے انسانوں کو اپنی مخلوقات و مصنوعات سے اپنی قدرت کے کمال کی طرف متوجہ فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

1- وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر.

(البقرۃ:284، ال عمران:29، المائدہ:17، المائدہ:19، المائدہ:40، الانفال:41، التوبۃ:39، الحشر:6)

ترجمہ: ”اور اللہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھنے والا ہے۔“

نیز ارشاد فرمایا:

-2 اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر.

(البقرۃ:109، البقرۃ:148، ال عمران:165، النحل:77، النور:45، العنکبوت:20، فاطر:1)

ترجمہ: ''بے شک اللہ (جل مجدہ) ہر چیز پر مکمل قدرت رکھنے والا ہے۔''

-3 اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر. (البقرۃ:106، البقرۃ:259، الطلاق:12)

ترجمہ: ''بے شک اللہ (جل مجدہ) ہر چیز پر مکمل قدرت رکھنے والا ہے۔''

-4 هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر.

(المائدہ:120، الانعام:17، ھود:4، الروم:50، الشوریٰ:9، الحدید:2، التغابن:1، الملک:1)

ترجمہ: ''وہ (عالی مرتبت ذات) ہر چیز پر مکمل قدرت رکھنے والا ہے۔''

ان تمام آیات میں ''قدیر'' مبالغہ کا صیغہ ہے۔ جس میں قدرت کے کمال اور ہر نقص و عجز سے منزہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اور ''شیئٍ'' نکرہ ہے جس میں عموم پایا جاتا ہے۔ اور لفظ ''کل'' میں بھی عموم ہے چونکہ یہ موجبہ کلیہ کا سور ہے اور جب ''کل'' کی اضافت نکرہ کی طرف کی جاتی ہے تو اس تعمیم میں شمول اور تاکید پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ علامہ تفتازانی بیان کرتے ہیں:

''اذا اضیف کل الی النکرۃ فھو لعموم افرادھا''

(توضیح تلویح۔ص173)

ترجمہ: ''جب کل کی اضافت نکرہ کی طرف ہو تو وہ اس کے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے۔''

''کل شیئٍ'' کے عموم میں اسماع عن البعید بھی شامل ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت دور کی آواز سنوانے پر مکمل قادر ہے۔

ایک اور مقام پر اپنی قدرت کاملہ کو بیان فرمایا:

5- اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ. (ھود:107)

ترجمہ:''بے شک (اے حبیب مکرم ﷺ)! آپ کا رب (عزوجل) جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔''

6- اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ. (الحج:14)

ترجمہ:''بے شک اللہ (عزوجل) جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔''

7- اِنَّ اللّٰہَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا. (فاطر:41)

ترجمہ:''بے شک اللہ (عزوجل) نے آسمانوں اورزمین کو زوال سے روکا ہوا ہے۔''

8- وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ. (یٰسین:30)

ترجمہ:''اور سورج اپنے مستقر اور مدار پر چل رہا ہے۔ یہ اندازہ ہے غالب علم والے کا۔''

9- اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِھِنَّ. (الاحقاف:33)

ترجمہ:''کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ بے شک اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور ان کے پیدا فرمانے میں وہ نہیں تھکا۔''

10- اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْنٰہُ اَنْ نَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ. (النحل:40)

ترجمہ:''ہم جب کسی شے کا ارادہ فرماتے ہیں تو ہمارا فرمان اس کے بارے میں صرف اتنا ہوتا ہے کہ ہم اس شے کو فرماتے ہیں:''ہو جا'' تو وہ ہو جاتی ہے۔''

ان تمام آیات سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا کہ اللہ رب العزت دور

کی آواز سنوانے پر قادر ہے۔ اور جو اللہ رب العزت کی قدرت میں شک کرے گا وہ دائرہ اسلام و ایمان سے خارج ہو جائے گا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دور سے سننا فی نفسہٖ ممکن ہے، اور جب فی نفسہٖ ممکن ہے تو شرک کا ذرہ برابر بھی احتمال باقی نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ شریک ناممکن، محال اور ممتنع بالذات ہے اور جو شریک کو ممکن کہے وہ خود کافر و مرتد ہو جائے گا۔

چنانچہ حاجی امداداللہ مہاجر مکی جو کہ علمائے دیوبند کے بھی شیخ ہیں اپنے مشہور رسالہ ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' میں فرماتے ہیں:

> ''رہا اعتقاد کہ مجلس مولود میں حضور انور ﷺ رونق افروز ہوتے ہیں۔ اس اعتقاد کو کفروشرک کہنا حد سے بڑھنا ہے۔ کیونکہ یہ امر ممکن عقلاً ونقلاً بلکہ بعض مقامات پر اس کا وقوع بھی ہوتا ہے۔ رہا یہ شبہ کہ آپ کو کیسے علم ہوا یا کئی جگہ کیسے ایک وقت میں تشریف فرما ہوتے ہیں۔ یہ ضعیف شبہ ہے۔ آپ ﷺ کے علم و روحانیت کی وسعت جو دلائل نقلیہ وکشفیہ سے ثابت ہے۔ اس کے آگے یہ ادنیٰ سی بات ہے۔ علاوہ اس کے اللہ کی قدرت تو محل کلام نہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ اپنی جگہ تشریف رکھیں اور درمیانی حجاب اٹھ جاویں۔ بہرحال ہرطرح یہ امر ممکن ہے......الیٰ......اور امر ممکن کا اعتقاد شرک وکفر کیونکر ہوسکتا ہے؟'' (فیصلہ ہفت مسئلہ۔ ص80۔ دارالاشاعت کراچی)

نیز فرماتے ہیں:

> ''ممکن کا اعتقاد شرک نہیں۔''

(کلیات امدادیہ۔ فیصلہ ہفت مسئلہ۔ ص84۔ دارالاشاعت کراچی)

ان دلائل کا اگر بنظر غائر و انصاف مطالعہ فرمائیں تو بہت سارے اختلافات کی بیخ کنی و استیصال ممکن ہے۔

باب دوئم

سماع عن البعید کا وقوع

سطور سابقہ میں آپ کے سامنے اللہ رب العزت کی قدرت کے کمال عموم، شمول اور ہر نقص و کمزوری سے مبرا و منزا ہونے سے سماع عن البعید کے امکان پر استدلال پیش کیا گیا۔ اس باب میں انشاء اللہ تعالیٰ سماع عن البعید یعنی دور سے سننے کے وقوع پذیر ہونے پر دلائل پیش کئے جائیں گے۔ اس لئے کہ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ رب العزت کی قدرت کے کمال کی وجہ سے سماع عن البعید کا امکان تو ثابت ہوتا ہے۔ وقوع نہیں۔ کیونکہ ضروری نہیں کہ ایک چیز ممکن ہو اور وہ واقع بھی ہو جائے۔ سو بعونہ تعالیٰ اس باب میں سماع عن البعید کے وقوع پر دلائل پیش کئے جائیں گے۔ جس میں قرآن و حدیث کی رو سے یہ ثابت کیا جائے گا کہ دور سے سننا نہ صرف یہ کہ ممکن ہے بلکہ واقع بھی ہے۔

دلیل نمبر 1:

اہل جنت و جہنم کا دور سے سننا

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآئَلُوْنَ . قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّیْ كَانَ لِیْ قَرِيْنٌ يَّقُوْلُ ءَ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ . ءَ اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَ اِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ . قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ .

فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ . قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ .
وَلَوْ لَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ . (الصافات:57-50)

ترجمہ: ''پس وہ (جنتی) ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال کریں گے ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا: بے شک دنیا میں میرا ایک ساتھی تھا جو کہتا تھا: کیا تو ضرور (قیامت کی) تصدیق کرنے والوں میں سے ہے۔ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا اس وقت ضرور ہم کو بدلہ دیا جائے گا؟ وہ کہے گا: کیا تم اس کو جھانک کر دیکھنے والے ہو؟ سو وہ اس کو جھانک کر دیکھے گا تو دوزخ کے درمیان میں دیکھے گا۔ سو وہ (اس سے) کہے گا: اللہ کی قسم! قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاک کر دیتا اور اگر مجھ پر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی دوزخ میں پڑا ہوتا۔''

امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم نے تفسیر ابن ابی حاتم میں، امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں، امام جلال الدین سیوطی نے تفسیر الدرالمنثور میں اور کچھ الفاظ کے تغیر کے ساتھ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری نے جامع البیان میں، علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی اور مفتی شفیع نے معارف القرآن میں اس روایت کو نقل کیا۔ اختصار کے پیش نظر عربی عبارت کو حذف کر کے صرف ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

''بنی اسرائیل میں دو شخص ایک دوسرے کے شریک تھے۔ ان میں سے ایک مومن تھا اور دوسرا کافر تھا۔ ان دونوں کو چھ ہزار دینار مل گئے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے حصے کے تین ہزار دینار لے کر الگ ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد دونوں کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے ایک دوسرے سے احوال پوچھے۔ کافر نے بتایا کہ اس نے ایک ہزار

دینار میں زمین، باغات اور نہر کو خریدا۔ مومن نے رات کو اٹھ کر نماز پڑھی اور ایک ہزار دینا سامنے رکھ کر دعا کی: اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے ایک ہزار دینار کے عوض جنت میں زمین، باغات اور نہر خریدتا ہوں۔ پھر اس نے صبح کو اٹھ کر وہ ایک ہزار دینار مساکین میں تقسیم کر دیے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کی دوبارہ ملاقات ہوئی۔ کافر نے بتایا کہ اس نے ایک ہزار دینار کے غلام خرید لئے جو اس کے کاروبار کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ مومن نے اس رات کو نماز کے بعد ایک ہزار دینار سامنے رکھ کر دعا کی کہ اے اللہ عزوجل! میں ایک ہزار دینار کے عوض جنت میں غلام خریدتا ہوں اور اس نے صبح کو ایک ہزار دینار مساکین میں تقسیم کر دیے۔ کچھ عرصہ بعد پھر ان کی ملاقات ہوئی۔ کافر نے بتایا کہ اس نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے ایک بیوہ عورت سے شادی کر لی۔ مومن نے اس رات نماز کے بعد ایک ہزار دینار اپنے سامنے رکھے اور دعا کی کہ اے اللہ عزوجل! میں ان ایک ہزار دینار کے عوض جنت میں بڑی آنکھوں والی حور سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور پھر صبح اٹھ کر اس نے ایک ہزار مساکین میں تقسیم کر دیے۔ دوسری صبح مومن اٹھا تو اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ اس نے ایک شخص کے مویشیوں کو چارا ڈالنے اور ان کی دیکھ بھال کرنے پر ملازمت کر لی۔ ایک دن اس کے مالک نے ایک جانور کو پہلے سے دبلا پایا تو اس پر الزام لگایا کہ تم اس کا چارا بیچ کر کھا جاتے ہو اور اس کو ملازمت سے نکال دیا۔ اس نے سوچا کہ میں اپنے سابق شریک کے پاس جاتا ہوں اور اس سے ملازمت کی درخواست کرتا ہوں۔ اس نے اس سے ملنا چاہا۔ مگر اس کے ملازموں نے اس سے

ملاقات نہ کروائی اور اس کے اصرار پر کہا کہ تم یہاں راستہ پر بیٹھ جاؤ وہ اس راستہ پر سواری سے گزرے گا۔ تم ملاقات کر لینا۔ وہ کافر شریک اپنی سواری پر نکلا تو اس مومن کو دیکھ کر پہچان لیا اور کہا کہ کیا تمہارے پاس میری طرح مال نہ تھا پھر تمہارا اس قدر گیا گزرا حال کیوں ہے؟ مومن نے کہا کہ اس کے متعلق سوال نہ کرو۔ کافر نے پوچھا کہ تم اب کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: تم مجھے دو وقت کی روٹی اور دو کپڑوں کے عوض محنت مزدوری پر ملازم رکھ لو، کافر نے کہا: میں تمہاری اس وقت تک مدد نہیں کروں گا جب تک تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گے کہ تم نے ان تین ہزار دینار کا کیا کیا؟ مومن نے کہا: میں نے وہ کسی کو قرض دے دیئے ہیں۔ کافر نے پوچھا کس کو؟ مومن نے کہا کہ ایک وعدہ وفا کرنے والے غنی کو۔ کافر نے پوچھا: وہ کون ہے؟ مومن نے کہا اللہ (جل مجدہ)! کافر نے فوراً مسلمان سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور کہا کہ کیا تم آخرت اور قیامت کی تصدیق کرنے والے ہو؟ کیا جس وقت ہم مر جائیں گے اور مٹی ہڈیاں ہوجائیں گے تو اس وقت ہم کو ان کاموں کی جزا دی جائے گی؟ پھر کافر اس کو چھوڑ کر اپنی سواری پر بیٹھ کر چلا گیا۔ وہ مومن بڑے عرصہ تک تنگی اور ترشی کے ساتھ وقت گزارتا رہا، اور کافر عیش و طرب میں اپنی زندگی گزارتا رہا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے اس مومن کو جنت میں داخل کر دیا اور اس کو زمین، باغات، پھل اور نہریں دکھائیں۔ اس نے پوچھا: یہ کس کی ہیں؟ فرمایا: تمہاری ہیں۔ اس نے کہا: سبحان اللہ! میرے تھوڑے سے عمل کی کیا اتنی عظیم جزا ہے؟ پھر اس کو بے شمار غلام دکھائے اس نے پوچھا: یہ کس کے ہیں؟ فرمایا: تمہارے

ہیں۔ اس نے کہا: سبحان اللہ! میرے معمولی عمل کا اتنا بڑا ثواب ہے۔ پھر اس کو بڑی آنکھوں والی حور دکھائی گئی اس نے پوچھا: یہ کس کے لئے ہے؟ فرمایا: تمہاری ہے۔ اس نے کہا: سبحان اللہ! میرے اس حقیر عمل کا ثواب یہاں تک پہنچا ہے۔ پھر اس کو کافر شریک یاد آیا۔ اس نے کہا کہ دنیا میں میرا ایک صاحب تھا جو کہتا تھا کیا تم آخرت کی تصدیق کرنے والے ہو؟ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے اس وقت ہم کو ہمارے کاموں کا بدلہ دیاجائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس کا کافر شریک دکھائے گا جو دوزخ کے درمیان میں پڑا ہوگا۔ مومن اس کو دیکھ کر کہے گا: اللہ (جل مجدہ) کی قسم! قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاک کر دیتا اگر مجھ پر میرے رب (عزوجل) کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی دوزخ میں پڑا ہوتا۔"

(تفسیر ابن ابی حاتم: جلد10۔ ص3213-3215 مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، التفسیر الکبیر: جلد9۔ جزو26، ص129 دارالفکر بیروت، تفسیر ابن کثیر: جلد4۔ ص11-10، دارالفکر بیروت، الدرالمنثور: جلد 7، ص83-81۔ داراحیاء التراث العربی، جامع البیان: جزو 23، ص71-70، دارالفکر بیروت، روح المعانی: جزو23، ص134، دارالفکر بیروت، معارف القرآن: جلد7، ص437 کراچی)

قارئین کرام! قرآن مجید کی اس نص قطعی سے معلوم ہو گیا کہ جنتی اس جہنمی کے احوال کا مشاہدہ کرے گا۔ اور اس سے یہ خطاب کرے گا اور یہ خطاب اس کافر کے لئے باعث حسرت و ندامت تب بن سکتا ہے جب وہ اس خطاب کو سنے تو گویا اس کافر نے وسط جہنم میں ہونے کے باوجود اس جنتی کے کلام کو سنا اور جنت کی ابتداء چھٹے آسمان سے ماورا ہے۔ اور مختار قول میں جہنم تحت الثریٰ میں ہے

اور جنت اور جہنم کے درمیان لاکھوں میل کا فاصلہ ہے لیکن خالق جل و علا کی کمال قدرت دیکھئے کہ جس نے ایک جنتی کے اکرام و اعزاز کے لئے اس کی رؤیت و بصارت کو اس قدر وسیع کر دیا کہ وہ لاکھوں میل دور اس جہنمی کے احوال و عذاب کا مشاہدہ کر رہا ہے اور جہنمی کے حسرت و ندامت کے لئے اس کی سماعت کو اتنا وسیع کر دیا کہ اس نے لاکھوں میل دور جنتی کی آواز کو وسط جہنم میں سنا۔ تو کیا اب بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ مکین گنبد خضراء ﷺ باذن اللہ تعالیٰ چند ہزار میل دور مدینہ میں تشریف فرما ہو کر اپنے غلاموں اور امتیوں کا صلوٰۃ و سلام بنفس نفیس سماعت فرماتے ہیں۔ یہ شرک و کفر ہے؟ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اگر یہ شرک و کفر ہے تو وہ جنتی جنت میں شرک کر رہا ہے؟ کہ دور سے اس جہنمی کو پکارتا ہے، اور کیا معاذ اللہ! آخرت میں شرک جائز ہو جائے گا؟ کہ جہنمی دور سے آواز کو سن لے گا؟ خدارا کچھ تو عقل و فہم سے کام لیجئے۔ فخر الدین والملۃ امام فخر الدین رازی نے عقیدہ و اہلسنّت کی ترجمانی کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا:

”ولا یجوزان یسمع بعضهم خطاب بعض و یراه علی بعد الا باذن یقوی الله ابصارهم واسماعهم و اصواتهم“.

(التفسیر الکبیر: جلد 9 جزو 26، ص 127۔ دارالفکر بیروت)

ترجمہ: ”یہ جائز نہیں کہ دور سے ایک دوسرے کا خطاب سنیں یا دور سے ایک دوسرے کو دیکھیں مگر اس صورت میں کہ اللہ رب العزت ان کی نگاہوں، سماعتوں اور آوازوں کو قوی کر دے۔“

اور یہی عقیدہ اہلسنّت کا ہے۔ (والحمد للہ تعالیٰ)

بانی جماعت اسلامی مودودی نے اس آیت کریمہ کے تحت لکھا:

”اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آخرت میں انسان کی سماعت اور بینائی اور گویائی کس پیمانے کی ہوگی۔ جنت میں بیٹھا ہوا ایک آدمی

جب چاہتا ہے کسی ٹیلی ویژن کے آلے کے بغیر بس یونہی جھک کر
ایک ایسے شخص کو دیکھ لیتا ہے جو اس سے نہ معلوم کتنے ہزار میل کے
فاصلے پر جہنم میں مبتلائے عذاب ہے۔ پھر یہی نہیں کہ وہ دونوں ایک
دوسرے کو دیکھتے ہیں بلکہ ان کے درمیان کسی ٹیلیفون یا ریڈیو کے
توسط کے بغیر براہ راست کلام بھی ہوتا ہے۔ وہ اتنے طویل فاصلے
سے بات کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی بات سنتے ہیں۔''

(تفہیم القرآن: جلد 4، ص288، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور)

اللہ اکبر! اس تحریر کو پڑھنے سے بے ساختہ زبان پر جاری ہوتا ہے:

''قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا''

یہی لوگ اور خود مودودی صاحب وسعت سماعت مصطفیٰ کریم ﷺ کا بڑے شد و مد سے انکار کرتے ہیں اور حضور اقدس ﷺ کی وسعت سماعت کا عقیدہ رکھنے والوں کو فتوائے شرک سے نوازتے ہیں۔ لیکن خدا عزوجل کی شان دیکھئے کہ آج یہی لوگ جہنم کے ایک کافر کی وسعت سماعت کے قائل ہیں۔ شاید انہوں نے یہی ٹھان رکھی ہے کہ باقی ہر ایک کے لئے کمال تسلیم کرنا عین توحید ہے۔ لیکن وہی کمال مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کے لئے تسلیم کرنا کفر و شرک ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ یہی مودودی صاحب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

''جنت میں ایک انسان کو جو باغ اور محلات ملیں گے وہ تو
صرف اس کے قیام کے لئے ہوں گے۔ مگر درحقیقت پوری کائنات
اس کی سیرگاہ ہوگی۔ کہیں وہ بند نہ ہوگا۔ وہاں اس کا حال اس دنیا
کی طرح نہ ہوگا کہ چاند جیسے قریب ترین سیارے تک پہنچنے کے لئے
بھی وہ برسوں پاپڑ بیلتا رہا اور اس ذرا سے سفر کی مشکلات کو رفع
کرنے میں اسے بے تحاشا وسائل صرف کرنے پڑے۔ وہاں ساری

کائنات اس کے لئے کھلی ہو گی۔ جو کچھ چاہے گا اپنی جگہ سے بیٹھے بیٹھے دیکھ لے گا اور جہاں چاہے گا بے تکلف جا سکے گا۔''

(تفہیم القرآن: جلد5، ص319، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور)

امین احسن اصلاحی اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' میں اسی آیت کے تحت رقم طراز ہیں:

''اس سے اہل جنت کی قوتوں اور صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے تخت پر بیٹھے بیٹھے جس شخص کو چاہیں گے دیکھ لیں گے اور اگرچہ وہ کتنا ہی دور ہو اور اس سے بات بھی کر لیں گے۔''

(تدبر قرآن: جلد6، ص468، فاران فاؤنڈیشن، لاہور)

دلیل نمبر2:

اللہ رب العزت نے قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرمایا:

وَ نَادٰٓی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ.

(الاعراف:44)

ترجمہ: ''اور جنتی لوگ دوزخیوں کو پکاریں گے کہ ہم نے ان سارے وعدوں کو سچا پایا جو ہمارے رب نے ہم سے کئے تھے۔ کیا تم نے بھی ان وعدوں کو سچا پایا جو تمہارے رب نے کئے تھے؟ وہ جواب دیں گے: ''ہاں'' تب ایک پکارنے والا ان کے درمیان پکارے گا کہ خدا کی لعنت ظالموں پر۔''

دلیل نمبر3:

اسی سورۃ اعراف میں فرمایا:

وَنَادٰۤی اَصۡحٰبُ النَّارِ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ اَنۡ اَفِيۡضُوۡا عَلَيۡنَا مِنَ الۡمَآءِ اَوۡمِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ . (الاعراف:50)

ترجمہ: ''اور دوزخ کے لوگ جنت والوں کو پکاریں گے کہ کچھ تھوڑا سا پانی ہم پر ڈال دو یا جو رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے اسی میں سے کچھ پھینک دو۔ وہ جواب دیں گے کہ اللہ نے دونوں چیزیں کافروں پر حرام کر دی ہیں۔''

تقریباً دوصدی سے امت میں یہ اختلاف و انتشار اور مباحثے و مناظرے جاری ہیں کہ انبیاء و اولیاء بالخصوص مکین گنبد خضراﷺ اپنی قبر انور میں تشریف فرما ہو کر باذن اللہ اپنے امتیوں کے صلوٰۃ و سلام سماعت فرماتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح کسی کو دور سے یہ سمجھ کر کہ وہ باذن اللہ میری آواز کو سن لے گا جائز ہے یانہیں؟ ایک فریق بڑی شد و مد سے ان تمام امور کو ناجائز بلکہ کفر و شرک تک کہتے ہیں۔ اور دوسرے فریق (یعنی اہلسنّت) کا موقف یہ ہے کہ اللہ جل مجدہ کی عطا، توفیق اور اذن سے انبیاء، اولیاء بالخصوص تاجدار کائناتﷺ بعد از وصال بھی دور کی آواز کو سماعت فرماتے ہیں۔ موخر الذکر دونوں آیات اہلسنّت کی بہت پختہ اور مضبوط دلیلیں ہیں۔ اس لیے کہ ان آیات میں واشگاف الفاظ میں فرمایا کہ اہل جنت، اہل جہنم کو پکاریں گے اور اہل جہنم اہل جنت کو پکاریں گے۔ فریقین کے درمیان لاکھوں میل کی مسافت ہو گی۔ اہل جنت نے بھی دور سے یہ سمجھ کر پکارا کہ اہل جہنم ہماری پکار و ندا کو سماعت کریں گے اور اہل جہنم نے بھی یہ سمجھ کر دور سے ندا کی کہ اہل جنت ہماری پکار و ندا کو سماعت کریں گے۔ ہم اپنے موقف پر اہل جہنم،

کافروں اور مشرکوں کی ندا و پکار کو پیش نہیں کرتے کیونکہ اس پر کسی کو یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اہل جہنم کا پکارنا دلیل کیونکر ہو گا۔ اگرچہ اس ندا کو اہل جنت نے دور سے سنا۔ اس سے بھی ہمارے موقف کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔ لیکن ہم بطور خاص اہل جنت کے طرز عمل کو دیکھتے ہیں۔ امام فخر رازی نے فرمایا کہ یہ دور سے پکارنے والے تمام اہل جنت ہوں۔

"کل فریق من اهل الجنة ینادی"

(تفسیر کبیر: جلد 5 ص 73، دارالفکر بیروت)

یعنی اہل جنت کا ہر گروہ اہل جہنم کو پکارے گا۔ جس میں انبیاء علیہم السلام، اولیاء، اتقیاء، اصفیاء اور تمام امم کے مومنین شامل ہوں گے۔ اور یہ سمجھ کر پکاریں گے کہ یہ جہنمی ہمارے کلام کو سماعت کر رہے ہیں۔ غور فرمائیں کہ اس عقیدہ میں ذرا برابر بھی کفر و شرک یا فسق و ضلال اور عدم جواز کا شائبہ تک ہوتا تو یہ عمل اہل جنت سے کیوں سرزد ہوتا؟ کیا جو دنیا میں اپنے آپ کو شرک و کفر اور گناہوں کی آلودگی سے بچا کے رکھتے رہے بلکہ شرک و کفر کا استیصال و بیخ کنی کرتے ہوئے توحید کا پیغام مشرق تا مغرب پہنچاتے رہے۔ کیا العیاذ باللہ تعالیٰ وہ سب اب جنت میں کفر و شرک کے مرتکب ہوں گے، یا العیاذ باللہ تعالیٰ کفر و شرک جنت میں اور عالم آخرت میں جائز ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ان کا طرز عمل اس بات کی بین دلیل ہے کہ دور سے یہ سمجھ کر ندا کرنی کہ منادی باذن اللہ آواز سماعت کرے گا بالکل جائز ہے اور اس میں کفر و شرک تو کجا عدم جواز کا بھی بالکل شائبہ نہیں۔ اب ذرا اس موقف پر مفسرین اور محققین کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ قرطبی (671ھ) نے "التذکرۃ" میں اس آیت پر وارد ہونے والے سوال اور پھر اس کے جواب کو نقل کرتے ہیں:

السؤال: ولعلک تقول کیف یری اهل الجنة اهل

النار و اهل النار و اهل الجنة؟ و كيف يسمع بعضهم كلام بعض و بينهم ما بينهم من المسافة و غلظ الحجاب؟

ترجمہ: ''شاید کہ تو کہے کہ اہل جنت، اہل جہنم کو اور اہل جہنم، اہل جنت کو کیسے دیکھیں گے اور وہ ایک دوسرے کا کلام کس طرح سنیں گے؟ حالانکہ ان کے درمیان بہت مسافت اور سخت حجاب ہوں گے۔''

الجواب: فيقال لک لا تقل هذا، فان اللّٰه تعالیٰ يقوی اسماعهم و ابصارهم حتی يری بعضهم بعض و يسمع بعضهم كلام بعض، و هذا قريب فی القدرة.

(التذکرۃ: باب منہ فی رفع لہب النارص347، دارالکتاب العربی بیروت)

ترجمہ: ''پس تجھے جواب دیا جائے گا کہ تو یہ بات نہ کر اس لئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان کی سماعتوں اور بصارتوں کو قوی کر دے گا حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھیں اور ایک دوسرے کا کلام سنیں گے اور یہ اللہ رب العزت کی قدرت کے قریب ہے۔''

مفسر شہیر امام فخر الدین الرازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

''انهم استقروا فی الجنة فی وقت هذا لنداء''

یعنی اہل جنت ندا کے وقت اپنی جنتوں میں ٹھہر چکے ہوں گے۔ پھر اس سوال کا جو علامہ قرطبی نے ذکر کیا کے جواب میں تحریر کرتے ہیں:

السوال: اذا كانت الجنة فی اعلی السموٰت والنار فی اسفل الارضين فمع هذا البعد الشديد كيف يصح هذا النداء؟

ترجمہ: ''کہ جب جنت آسمانوں کی بلندیوں پر اور جہنم زمین کی

پستیوں میں ہے اتنے شدید بعداور دوری سے یہ ندا کس طرح درست ہوگی؟''

الجواب: هذا يصح على قولنا لان عندنا البعد الشديد والقرب الشديد ليس من موانع الادراک.

(التفسیر الکبیر: جلد خامس، جزو14 ص72-73، دارالفکر بیروت)

ترجمہ:''یہ ندا ہمارے (یعنی اہلسنّت کے) قول پر درست ہے۔ اس لیے کہ بُعد شدید اور قربت شدید، ادراک (یعنی سماعت، بصارت وغیرہ) سے مانع نہیں۔''

امام فخرالدین رازی کی یہ تحریر فریقین کے درمیان فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے کہ جب بعد شدید سماعت و بصارت سے مانع ہی نہیں۔تو پھر جھگڑا کس بات پر، اور اسی بات کو آج سائنس نے ثابت کردکھایا کہ بُعد شدید سماع سے مانع نہیں۔

بانی جماعت اسلامی مودودی صاحب کی بھی تفسیر ملاحظہ فرمائیں:

''اہل جنت اور اہل دوزخ اور اصحاب الاعراف کی اس گفتگو سے کسی حد تک اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عالم آخرت میں انسان کی قوتوں کا پیمانہ کس قدر وسیع ہو جائے گا۔ وہاں آنکھوں کی بینائی اتنے بڑے پیمانے پر ہوگی کہ جنت و دوزخ اور اعراف کے لوگ جب چاہیں گے ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے۔ وہاں آواز اور سماعت بھی اتنے بڑے پیمانے پر ہوگی کہ ان مختلف دنیاؤں کے لوگ ایک دوسرے سے بآسانی گفت وشنید کرسکیں گے۔ یہ اور ایسے ہی دوسرے بیانات جو عالم آخرت کے متعلق ہمیں قرآن میں ملتے ہیں اس بات کا تصور دلانے کے لئے کافی ہیں کہ وہاں زندگی کے قوانین ہماری موجودہ دنیا کے قوانین طبیعی سے بالکل مختلف ہوں گے۔ اگرچہ

ہماری شخصیتیں وہی رہیں گی جو یہاں ہیں۔ جن لوگوں کے دماغ اس عالم طبیعی کے حدود میں اس قدر مقید ہیں کہ موجودہ زندگی اور اس کے مختصر پیمانوں سے وسیع تر کسی چیز کا تصور ان میں نہیں سما سکتا، وہ قرآن اور حدیث کے ان بیانات کو بڑے اچنبھے کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور بسا اوقات مذاق اڑا کر اپنی خفیف العقلی کا مزید ثبوت بھی دینے لگتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان بے چاروں کا دماغ جتنا تنگ ہے زندگی کے امکانات اتنے تنگ نہیں ہوتے۔''

(تفہیم القرآن: جلد2، ص34 ادارہ ترجمان القرآن، لاہور)

مودودی صاحب کی اس تحریر سے معلوم ہوا کہ جو لوگ آخرت میں وسعت سماعت و بصارت کا انکار کرتے ہیں وہ خفیف العقل اور تنگ دماغ ہیں۔ لیکن اس سے بڑھ کر حیران کن بات یہ ہے کہ اہلسنّت دنیاوی زندگی میں بھی انبیاء و اولیاء کے لئے اور بالخصوص سیدالانبیاء ﷺ کی وسعت سماعت، بصارت کا اقرار کرتے ہیں تو یہی مودودی صاحب ان پر فتویٰ کفر و شرک لگاتے ہیں؟ حالانکہ یہ اگر کفر و شرک ہے تو آخرت میں وسعت سماعت و بصارت کا انکار کرنے والے تو لائق صد تحسین ہیں لیکن مودودی صاحب انہیں خفیف العقل قرار دیتے ہیں۔ اور یہ متضاد اور دوغلی پالیسی ہماری عقل سے ماورا ہے کہ ایک چیز دنیا کی زندگی میں مانی جائے تو کفر و شرک اور وہی چیز آخرت کی زندگی میں مانی جائے تو ایمان اور نہ ماننے والے تنگ دماغ اور خفیف العقل۔ بات بڑی سادہ سی ہے کہ جب اہل جنت اور اہل جہنم کی سماعت و بصارت کے پیمانے آخرت میں اتنے وسیع ہوں گے اور ہزاروں، لاکھوں میل بھی ان کی رویت و سماعت میں مانع و حجاب نہیں بنیں گے تو ایسا کیوں نہیں ہوسکتا کہ اللہ رب العزت اپنے پیاروں بالخصوص اپنے حبیب کریم ﷺ اور محبوب مکرم ﷺ کے خصوصی مقام اور جو وجاہت و منزلت آپ ﷺ کی اللہ عزوجل

کی بارگاہ میں ہے اس کے پیش نظر ویسی بلکہ اس سماعت سے بھی اکمل وقوی سماعت جو اللہ عزوجل اہل جنت کو آخرت و جنت میں عطا فرمائے گا آپ ﷺ کو اسی دنیا میں اس سے نواز دے۔ جس طرح اللہ رب العزت تمام مومنین کو آخرت اور جنت میں اپنی ذات کا دیدار عطا فرمائے گا لیکن اپنے حبیب مکرم ﷺ کی انفرادی، اعجازی اور اختصاصی حیثیت کے پیش نظر آپ کو اسی دنیا کی زندگی میں اپنے دیدار سے شادکام فرمایا۔

اسی آیت کی تفسیر میں ایک حوالہ امین احسن اصلاحی کا بھی ملاحظہ فرمائیں:

''یہ آیت ایک نہایت ہلکا سا تصور دیتی ہے۔ اس انقلاب حال کا جو جنت میں پہنچ کر انسان کی قوتوں اور صلاحیتوں کے اندر برپا ہو گا۔ اس دنیا میں تو ہمارے سمع و بصر اور ادراک و ابلاغ کی قوتیں نہایت محدود ہیں۔ معمولی معمولی چیزیں ہماری ان لوگوں کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں لیکن عالم آخرت میں یہ رکاوٹیں دور ہو جائیں گی۔ جنت کے عالم سے جب چاہیں گے اہل جنت دوزخ والوں کو مخاطب کر کے ان سے سوال و جواب کریں گے۔ اس سائنسی دور کے انسان کے لئے یہ بات ذرا بھی حیران کرنے والی نہیں ہونی چاہیئے۔ جب آج انسان نے قدرت کے محض چند ضمنی قوانین کا راز دریافت کر کے اپنے لیے ایسی دوربینیں ایجاد کر لیں جن کی مدد سے ہزاروں میل کی مسافت پر چلنے والی شمع کی لو کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ایسے فون بنا لیے ہیں جن کی وساطت سے جب چاہے پاکستان کا پریزیڈنٹ امریکہ کے پریزیڈنٹ سے بات کر سکتا ہے۔ ایسے ٹیلی ویژن بنا لیے ہیں جن پر ایک ملک کے لوگ کسی دوردراز ملک کے کسی خطیب کو اپنے ملک کے کسی مجمع کے سامنے تقریر کرتے، مجمع کو

تالیاں پیٹتے اور نعرے لگاتے دیکھ اور سن سکتے ہیں۔ ایسے آلات بنا لیے ہیں جو اس کو لاکھوں میل کی مسافت سے نبض کی حرکت اور دل کی دھڑکن سے آگاہ کر سکتے ہیں۔ تو آخر اس عالم کی باتوں پر حیران ہونے کی کیا وجہ ہے۔ جہاں یہ سارے نوامیس طبیعی جو آج ہمیں جکڑے ہوئے ہیں بدل جائیں گے اور اس زمین و آسمان کی جگہ نئے آسمان و زمین میں پیدا ہو جائیں گے۔''

(تدبر قرآن: جلد 3 ص264، فاران فاؤنڈیشن، لاہور)

دلیل نمبر 4:

جنات اور شیاطین کا دور سے سننا

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّ شُهُبًا . وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا. (الجن9-8)

ترجمہ: ''(جنات اور شیاطین نے کہا) اور ہم نے آسمانوں کو چھوا تو ہم نے اس کو اس حال میں پایا کہ اس کو سخت پہرے داروں اور آگ کے انگاروں سے بھر دیا گیا ہے۔ اور ہم پہلے (فرشتوں کی باتیں) سننے کے لئے آسمان کی کچھ جگہوں پر بیٹھ جاتے تھے، پس اب جو کان لگا کر سنتا ہے تو وہ اپنی گھات میں آگ کا شعلہ تیار پاتا ہے۔''

اس آیت کی تشریح اس حدیث میں ہے۔

دلیل نمبر 5:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں (کہ پہلے) رسول اللہ ﷺ نے قرآن جنات پر نہیں پڑھا تھا اور نہ ان کو دیکھا تھا۔ نبی اکرم ﷺ اپنے اصحاب کی جماعت کے ساتھ بازار عکاظ میں گئے اور آسمان کی خبر اور شیاطین کے درمیان کوئی چیز حائل ہو گئی تھی اور ان پر آگ کے شعلے پھینکے جاتے تھے۔ پس شیاطین اپنی قوم کی طرف گئے اور انہوں نے کہا کہ ہمارے اور آسمان کی خبر کے درمیان کوئی چیز حائل ہو گئی ہے، اور ہم پر آگ کے شعلے پھینکے جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ضرور کوئی نئی بات ہوئی ہے۔ زمین کے مشرقوں اور مغربوں میں سفر کرو اور تلاش کرو کہ ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان کیا چیز حائل ہوئی ہے۔ پھر انہوں نے زمین کے مشارق اور مغارب میں سفر کیا۔ ان کی ایک جماعت تہامہ کی طرف گئی اور وہاں نبی کریم ﷺ بازار عکاظ میں اپنے اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب انہوں نے قرآن سنا تو انہوں نے کہا: یہ ہے وہ چیز جو تمہارے اور آسمان کے درمیان حائل ہو گئی ہے۔ پھر وہ اپنی قوم کے پاس گئے اور کہا: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔ ہم اس پر ایمان لائے اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک قرار نہیں دیں گے۔

(صحیح بخاری: کتاب الاذان، باب الجہر بقرأۃ صلوٰۃ الفجر، رقم الحدیث:773، دارالکتاب العربی بیروت، صحیح بخاری: رقم الحدیث:4921، صحیح مسلم: کتاب الصلوۃ، باب الجہر بالقرأۃ فی الصبح، رقم الحدیث:449 بیروت، السنن الکبریٰ: 11624-11625، مسند ابو یعلی:2369، صحیح ابن حبان:6526، المستدرک: جلد2، ص503، سنن بیہقی: جلد2 ص225، مسند احمد: جلد4 ص129، جامع المسانید لابن الجوزی:3120)

دلیل نمبر 6:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اچانک ایک ستارا ٹوٹ کر گرا اور فضا روشن ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ جب تم زمانہ جاہلیت میں یہ منظر دیکھتے تھے تو اس کے متعلق کیا کہتے تھے؟ صحابہ کرام نے عرض کی: ہم کہتے تھے کہ کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے یا کوئی بڑا آدمی مر گیا ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آگ کا یہ شعلہ نہ کسی کی موت پر پھینکا جاتا ہے اور نہ کسی کی حیات پر۔ لیکن ہمارا رب تبارک و تعالیٰ جب کسی چیز کے متعلق فیصلہ فرماتا ہے تو حاملین عرش سبحان اللہ کہتے ہیں، پھر آسمان والے سبحان اللہ کہتے ہیں، پھر جو ان کے قریب ہیں وہ سبحان اللہ کہتے ہیں، پھر وہ جو ان کے قریب ہیں وہ سبحان اللہ کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس آسمان تک تسبیح پہنچ جاتی ہے۔ پھر چھٹے آسمان والے ساتویں آسمان والوں سے پوچھتے ہیں: تمہارے رب عزوجل نے کیا فرمایا؟ پھر وہ ان کی خبر دیتے ہیں۔ پھر ہر نچلے آسمان والا اپنے سے اوپر آسمان والے سے پوچھتا ہے حتیٰ کہ آسمان دنیا تک یہ خبر پہنچ جاتی ہے۔

"یختطف الشیاطین السمع"

ترجمہ: "اور شیاطین چوری سے اس خبر کو سن لیتے ہیں۔ پھر وہ خبر اپنے چیلوں اور دوستوں تک پہنچا دیتے۔ پھر وہ اس خبر کو بیان کریں تو وہ حق ہے۔ لیکن وہ اس میں تحریف کرتے ہیں اور اس میں کچھ باتوں کا اضافہ کر دیتے ہیں۔" (امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

(سنن ترمذی: کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ سبا، رقم الحدیث: 3224 دارالمعرفہ بیروت، مسند احمد: جلد اول، ص218، دلائل النبوۃ للبیہقی: جلد8، ص138)

وجہ استدلال

آسمان ٹھوس و سخت اجسام ہیں۔ جن میں منافذ یا شگاف نہیں ہیں۔ اور روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ پہلے آسمان کی موٹائی تقریباً 500 سال کی مسافت ہے، اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک بھی تقریباً 500 سال کی مسافت ہے۔ مقام غور ہے کہ وہ شیاطین جو بدترین خلائق، ملعون اور غضب الٰہی عزوجل کے مستحق ہیں۔ جو لوگوں کو اللہ جل مجدہ کی اطاعت و فرمانبرداری سے طغیان و عصیان اور تمرد سرکشی کی طرف لے جاتے ہیں ان کی قوت سماعت کا یہ حال ہے کہ وہ آسمان کے قریب جا کر اوپر موجود فرشتوں کے کلام کو سماعت کرتے ہیں۔ حالانکہ ان فرشتوں اور شیاطین کے درمیان کوئی ربط و تعلق، آلاتِ مواصلات اور سیٹلائٹ نہیں۔ پھر بھی وہ ان کی باتوں کو سن کر اسے کاہنوں تک تحریف کر کے پہنچاتے ہیں۔ خدارا! اگر آپ میں ذرا سی بھی ایمان کی رمق باقی ہے تو ذرا ٹھنڈے دل سے تدبر کریں کہ اگر شیاطین 500 برس کی مسافت سے فرشتوں کے کلام کو سماعت کر سکتے ہیں تو مکین گنبد خضرا ﷺ جو اس کائنات میں خدا عزوجل کے سب سے بڑھ کر محبوب ہیں اور جن کو رب تبارک و تعالیٰ نے جملہ کمالات و محاسن کا جامع بنادیا ہے وہ اپنی قبر انور میں تشریف فرما ہو کر چند ہزار میل سے اپنے امتیوں کے صلوٰۃ و سلام کو کیوں نہیں سماعت کر سکتے؟ لیکن شاید جو لوگ شیطان کے لئے وسعت علم زمین کو ثابت کرنا اپنے ایمان کا حصہ اور سید دو عالم ﷺ کے وسعت علم زمین کو ثابت کرنا شرک سمجھتے ہوں اور جو شیطان کا علم، سرور دو عالم ﷺ سے زائد مانتے ہوں ان سے کیا بعید کہ العیاذ باللہ تعالیٰ وہ یہ بھی کہہ دیں کہ شیطان کی سماعت، حضور اکرم ﷺ کی سماعت سے زیادہ ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

چنانچہ خلیل احمد انبیٹھوی نے اپنی کتاب ''براہین قاطعہ'' میں یہ دل خراش عبارت تحریر کی:

''الحاصل غور کرنا چاہئے کہ شیطان، ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے شرک ثابت کرتا ہے۔''

(براہین قاطعہ: ص52، مطبع استقلال پریس، لاہور)

العیاذ باللہ تعالیٰ من سوء الادب۔

جامع ترمذی کی مذکورہ حدیث میں ایک اور اعتبار سے بھی سماع عن البعید پر دلیل موجود ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ ہر ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک 500 سال کی مسافت ہے اور حدیث پاک کے الفاظ ہیں:

''ثم سال اهل السماء السادسة اهل السماء السابعه. ماذا قال ربكم؟'' فيخبر ونهم. (جامع ترمذی: رقم الحدیث:3224)

ترجمہ: ''پھر چھٹے آسمان والوں نے ساتویں آسمان والوں سے پوچھا کہ تمہارے رب عزوجل نے کیا فرمایا؟ پس وہ ساتویں آسمان والے چھٹے آسمان والوں کو خبر دیتے ہیں۔''

یعنی چھٹے آسمان والے فرشتوں کی آواز ساتویں آسمان والے فرشتوں نے سنی انہوں نے وہاں سے جواب دیا تو 500 برس کی مسافت پر چھٹے آسمان کے ملائکہ نے اس جواب کو سنا۔ یہ سماع عن البعید کے وقوع پر ساتویں دلیل ہوگئی۔

دلیل نمبر 8:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رؤیت سے سماع عن البعید پر استدلال

اللہ رب العزت نے قرآن مجید، فرقان حمید میں فرمایا:

وَكَذٰلِكَ نُرِیٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ. (الانعام:75)

ترجمہ: ''اور اسی طرح ہم نے دکھا دی ابراہیم علیہ السلام کو ساری بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی تاکہ وہ ہو جائیں کامل یقین کرنے والے۔''

متعدد مفسرین نے اس آیت کریمہ کے تحت بیان فرمایا کہ اللہ رب العزت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نگاہ کو اتنا قوی اور وسیع کر دیا کہ آپ نے عرش معلیٰ سے لے کر تحت الثریٰ تک کی تمام مخلوقات و موجودات کا مشاہدہ کر لیا اور زمین و آسمان کا کوئی ذرہ آپ کی نگاہ سے مخفی نہ رہا۔ چنانچہ علامہ سید محمود آلوسی حنفی اس آیت پاک کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

''العجائب التی فی السموات والارض فانه علیه السلام فرجت له السموات السبع فنظر الی ما فیهن حتی انتهٰی بصره الی العرش و فرجت له الارضون السبع فنظر الی ما فیهن''

(تفسیر روح المعانی: جزو سابع ص257، داراحیاء التراث العربی بیروت)

ترجمہ: ''یعنی وہ عجائبات جو آسمانوں اور زمین میں ہیں پس بے شک آپ علیہ السلام کے لئے سات آسمانوں کو کھول دیا گیا۔ اور جو کچھ

ان میں تھا وہ سب آپ نے دیکھا یہاں تک کہ آپ کی نگاہ مبارک عرش تک پہنچ گئی، اور آپ کے لئے سات زمینوں کو کھول دیا گیا، پس جو کچھ ان میں ہے آپ نے وہ ملاحظہ فرمایا۔"

علامہ قرطبی نے بھی بعینہٖ اسی طرح فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"فرجت له السموات السبع فنظر اليهن حتى انتهى الى العرش و فرجت له الارضون فنظر اليهن".

(تفسیر قرطبی: جلد 7، ص25، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان)

یہی عبارت تفسیر ابن ابی حاتم جلد 4 ص1326 میں بھی ہے اور سعودی عرب سے جو اردو تفسیر چھپ کر آ رہی ہے اس میں قاضی شوکانی کی تفسیر فتح القدیر کے حوالے سے یہی عبارت موجود ہے۔

ان تمام عبارات کے بعد یہ بات ذہن نشین رہے کہ سماعت کا دائرہ کار، بصارت و رؤیت کے دائرہ کار سے وسیع ہوتا ہے۔ کیونکہ آنکھ کے سامنے ایک پردہ بھی حائل ہو جائے تو وہ دیکھنے سے رکاوٹ بن جاتا ہے۔ لیکن کان کے لئے کئی پردے بھی سماعت سے مانع نہیں ہوتے۔ تو جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہ اور رؤیت و بصارت قرآن کی نص سے اتنی قوی ہوگئی کہ آپ اگر اوپر نگاہ کرتے تو عرش معلٰی تک تمام مخلوقات آپ کے سامنے ہو جاتیں اور نیچے نگاہ کرتے تو تحت الثریٰ تک تمام مخلوقات سامنے ہو جاتیں۔ تو جب آپ کی نگاہ کی وسعت کا یہ عالم ہے تو آپ کی سماعت کی وسعت کا کیا عالم ہوگا؟ نیز جب بصارت کو وسیع کر دینا اللہ رب العزت کی قدرت کاملہ کے لئے کچھ مشکل نہیں تو سماعت کو وسیع کر دینا اللہ رب العزت کی قدرت کاملہ کے لئے کیونکر مشکل ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اثبات وسعت رویت و بصارت بعینہٖ اثبات وسعت سماعت اور سماع عن البعید پر دلیل ہے۔ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان یہ ہے تو سیدالانبیاء والمرسلین اور

امام الانبیاء المرسلین ﷺ جنہوں نے فرمایا:

"اٰدم و من دونہ تحت لواء ی"

(سنن ترمذی: کتاب تفسیر القران، باب ومن سورۃ بنی اسرائیل، رقم الحدیث:3148، دارالمعرفہ بیروت، سنن ابن ماجہ: کتاب الزہد، باب ذکرالشفاعۃ، رقم الحدیث:4308، دارالسلام، ریاض، مسند احمد: رقم الحدیث:11000، الترغیب والترہیب:5509)

ترجمہ: "کہ (قیامت کے دن) حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے ماسوا تمام مخلوق میرے جھنڈے کے نیچے ہوگی۔"

نیز فرمایا:

"واخرت الثالثۃ لیوم یرغب الی الخلق کلھم حتی ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والسلام".

(صحیح مسلم: کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب ان القران علی سبعۃ احرف، رقم الحدیث:1904، دارالکتاب العربی بیروت، سنن ابوداؤد: رقم الحدیث:1478، سنن نسائی: رقم الحدیث:978)

ترجمہ: "اور میں نے تیسری دعا اس دن کے لئے بچا رکھی ہے جب تمام مخلوق میری پناہ کے لئے راغب ہوگی حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی۔"

آپ کی شان ارفع و اعلیٰ اور آپ کی رویت و بصارت اور قوت سماعت کا عالم کیا ہوگا؟ فافھم و تدبر.

دلیل نمبر 9:

سماع عن البعید پر ایک اور قرآنی دلیل

قرآن مجید فرقان حمید میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ

ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ . (الحج:27)

ترجمہ: ''(اے ابراہیم علیہ السلام) آپ لوگوں کو بلند آواز سے حج کے لئے ندا کرو۔ لوگ پیدل اور دبلی اونٹنیوں پر سوار ہو کر دور دراز راستوں سے آپ کے پاس آئیں گے۔''

سید محمود آلوسی اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

"اخرج ابن ابی شیبه فی المصنف و ابن جریر و ابن المنذر والحاکم و صححه والبیهقی فی "سننه" عن ابن عباس قال "لما فرغ ابراهیم علیه الصلوٰة والسلام من بناء البیت قال رب قد فرغت فقال اذن فی الناس بالحج قال یا رب وما یبلغ صوتی؟ قال اذن و علی البلاغ قال رب کیف اقول؟ قال قل یایها الناس کتب علیکم الحج الی البیت العتیق" "فسمعه اهل السمآء والارض"

(روح المعانی: جزو17، ص187، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

''امام ابن شیبہ نے مصنف میں اور ابن جریر اور ابن منذر اور امام حاکم نے تصحیح کے ساتھ اور بیہقی نے سنن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو عرض کی: اے میرے رب! میں فارغ ہو چکا ہوں تو اللہ جل مجدہ نے فرمایا: لوگوں کو حج کے لئے منادی کرو عرض کی: اے میرے رب عزوجل! ان تک میری آواز کیسے پہنچے گی؟ (کیونکہ آپ مکہ کی بے آب و گیاہ و سنگلاخ وادی میں تھے اور دور دور تک آبادی کا نام و نشان نہ تھا) تو اللہ جل مجدہ نے فرمایا: "اذن و علی البلاغ" کہ اعلان آپ کیجئے (اور مشرق تا

مغرب آفاق عالم میں) آپ کی آواز کو پہنچانا میرا کام ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب عزوجل! میں کیا کہوں؟ تو فرمایا: تم یوں کہو کہ اے لوگو! تمہارے اوپر اس قدیم گھر کا حج فرض کیا گیا ہے۔"

"فسمعه اهل السمآء والارض"

ترجمہ: "پس آسمان اور زمین والوں نے آپ کی آواز کو سنا۔"

یہاں تک کہ وہ انسان جو ابھی پیدا نہیں ہوئے، ماؤں کے رحموں اور باپوں کی پشتوں میں تھے انہوں نے بھی ندا سنی اور انہوں نے بھی جواباً تلبیہ پڑھا۔

اس روایت کو امام حاکم نے المستدرک: جلد2، ص388-389 پر روایت کیا اور متعدد مفسرین نے بھی اپنی تفاسیر میں اس روایت کو ذکر فرمایا۔ جن میں امام ابن جریر نے (جامع البیان: رقم الحدیث:18935) اور امام ابن ابی حاتم نے (تفسیر ابن ابی حاتم: رقم الحدیث:13877) اور علامہ قرطبی نے (الجامع لاحکام القرآن: جلد 12، ص 37) اور امام فخرالدین رازی شافعی نے (التفسیر الکبیر: جلد8 جزو23، ص25، دارالفکر، بیروت) میں روایت کیا۔

قرآن مجید کی اس آیت اور مذکورہ روایت میں غوروخوض سے چند امور معلوم ہوئے۔

-1 دور والے کو پکارنا

-2 غائب کو پکارنا

-3 دور والے کا سننا

-4 اور یہ نظریہ رکھ کر دور والے اور غائب کو پکارنا کہ وہ باذن اللہ میری آواز سن لے گا۔

اور پکارنے والے کون ہیں؟ جدالانبیاء حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام جن کو اللہ جل مجدہ نے اپنا خلیل بنایا، فرمایا:

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا. (النساء:125)

ترجمہ: ''اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنا لیا۔''

اور جن کے موحد ہونے کا قرآن نے بیان فرمایا:

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (الانعام:161)

ترجمہ: ''وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔''

غور فرمائیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دور والے اور غائب کو یہ سمجھ کر پکار رہے ہیں کہ وہ باذن اللہ تعالیٰ میری آواز سن لے گا۔ لیکن پھر بھی قرآن مجید ان کی ہر قسم کے شرک وکفر سے برأت اور پاک دامنی کا صراحت کے ساتھ اعلان فرما رہا ہے، اور اہلسنّت تمام نبیوں اور رسولوں کے سرتاج، محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے یہ عقیدہ رکھیں کہ باذن اللہ تعالیٰ دور کی سماعت فرماتے ہیں تو وہ کافر ومشرک ہو جائیں۔ اور ان کے ساتھ مناظرے اور مجادلے کیے جائیں تو آخر اس کا کیا جواز ہے؟ جس محبوب کے بارے میں اللہ عزوجل نے فرمایا:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ. (الاحزاب:16)

ترجمہ: ''میرا نبی مومنین کے ان کی جانوں سے بڑھ کر قریب ہے۔''

تو ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ اللہ جل مجدہ اپنے حبیب علیہ السلام کو دور سے سننے کی طاقت وقوت عطا فرما دے۔ اس لئے یقیناً عقیدہ اہلسنّت برحق اور ہر قسم کے کفر وشرک کی آلائش سے پاک ہے، اور اسی لیے میرے آقا کریم ﷺ نے چودہ سو سال پہلے اعلان فرما دیا تھا:

''واللّٰہ ما اخاف علیکم ان تشرکوا بعدی ولکن

اخاف علیکم ان تنافسوا فیھا".

ترجمہ: "خدا کی قسم! مجھے (اے میرے امتیو!) تمہارے بارے میں یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے لیکن یہ خوف ہے کہ تم دنیا طلبی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔"

(صحیح بخاری: کتاب المناقب: باب، علامات النبوۃ فی الاسلام رقم الحدیث:3401، دارالکتاب العربی بیروت، صحیح مسلم: کتاب الفضائل، باب اثبات حوض نبینا ﷺ رقم الحدیث:2296 دارالکتاب العربی بیروت، سنن ابوداؤد: کتاب الجنائز، باب المیت یصلی علی قبرہ، رقم الحدیث:3224، دارالسلام ریاض، المعجم الکبیر:768، السنن الکبریٰ للبیہقی: رقم الحدیث:6601)

دلیل نمبر 10:

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تین میل کی مسافت سے چیونٹی کا کلام سننا

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ . (النمل:18)

ترجمہ: "حتیٰ کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا: "اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ۔ کہیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں روند نہ ڈالے۔ اس کی بات سن کر سلیمان علیہ السلام مسکرا کر ہنس دیے۔"

"وقد سمع علیه السلام قولها من ثلاثة امیال"

(معالم التنزیل: جلد3، ص405، داراحیاء التراث العربی بیروت)

ترجمہ: ''کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی بات تین
میل کی مسافت سے سن لی۔''

یہی عبارت سید محمود آلوسی نے بھی روح المعانی میں تحریر کی اور اس کے بعد کہا:

''والسمع من سليمان منها غير بعيد لان الريح كما
جاء فى الاثار توصل الصوت اليه اولان الله تعالىٰ وهبه
اذذاك قوة قدسية سمع بها''

(روح المعانی: جزو19، ص231، داراحیاء التراث العربی بیروت)

ترجمہ: ''حضرت سلیمان علیہ السلام کا اتنے فاصلہ سے چیونٹی کی
آواز سن لینا بعید نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ آثار میں ہے ہوا نے ان تک
یہ بات پہنچا دی تھی یا اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی قوت قدسیہ عطا کی تھی
جس سے انہوں نے یہ بات سن لی۔''

اگر کوئی بہت اونچی آواز والا انسان تین میل کی دوری سے ہمیں پکارے تو ظاہر ہے کہ ہم اس کی آواز سننے سے عاجز ہیں۔ چہ جائیکہ ایک چیونٹی کی آواز تین میل سے سنیں۔ جس کو اگر ہم اپنے کان میں بھی رکھ دیں تو اس کی آواز نہیں سن پاتے لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کا باذن اللہ کمال اور قوت سماعت دیکھئے کہ آپ نے انسان یا جن نہیں بلکہ چیونٹی کی آواز کو سنا اور قریب سے نہیں سنا بلکہ تین میل کی دوری سے سنا۔

معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت صرف اس بات پر قادر نہیں کہ دور سے کسی انسان کی آواز سنا دے بلکہ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ دور سے چیونٹی جیسے خفیف الصوت جانور کی آواز سنا دے۔ نیز علامہ آلوسی نے جس اثر کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے جس کو ہم مستقل ایک دلیل کے طور پر بیان کر رہے ہیں۔

دلیل نمبر 11:

حضرت سلیمان علیہ السلام کی سماعت پر ایک اور دلیل

"اوحی اللہ الیہ وھو یسیر بین السمآء والارض: انی قد زدت فی ملکک ان لا یتکلم احد من الخلائق بشیء الا جائت الریح فاخبرتک."

(المستدرک الحاکم: جلد2، ص644، رقم الحدیث 4141، جامع البیان للطبری: جلد19، ص 141، تاریخ الامم والملوک: جلد1، ص288، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: جلد13، ص155 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، پاکستان)

ترجمہ: "اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی اس حال میں کہ زمین اور آسمان کے درمیان چل رہے تھے کہ (اے سلیمان) بے شک میں نے تمہاری بادشاہت میں یہ اضافہ کر دیا ہے کہ مخلوقات میں جو کوئی بھی جو بات کرے گا ہوا تجھے اس کے بارے میں بتا دے گی۔ (یعنی وہ بات آپ کی سمع مبارک تک پہنچ جائے گی)"

روایت میں "احد" اور "شیء" کے الفاظ نکرہ ہیں جس کا مفاد عموم ہے یعنی جن و انس خواہ وہ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کسی بھی خطہ زمین پر آباد ہوں اور جو بھی بات بھی کریں تو ہوا اس بات کو آپ تک پہنچا دے گی اور واقعتاً اللہ رب العزت کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ کسی کو اس قدر قوی سماعت عطا فرما دے اور اگر سلیمان علیہ السلام کی قوت سماعت کا یہ حال ہے تو حبیب کبریا اور تمام انبیاء علیہم السلام کے امام کی قوت سماعت کا عالم کیا ہو گا؟

دلیل نمبر 12:

جبرائیل امین اور ملائکہ علیہم السلام کی قوت سماعت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ معراج کی حدیث میں روایت کرتے ہیں:

”قال، قال رسول اللّٰہ ﷺ: ثم صعد بی جبرائیل الی السمآء الدنیا فاستفتح فقیل: من ھذا؟ قال جبرائیل قیل ومن معک؟ قال محمد ﷺ ثم صعد الیٰ السماء الثانیہ فاستفتح فقیل: من ھذا؟ قال جبرائیل قیل و من معک؟ قال محمد ﷺ والثالثہ والرابعة و سائر ھن و یقال فی باب کل سماء من ھذا فیقول جبرائیل.“

(صحیح بخاری: کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکہ، رقم الحدیث 3207، دارالکتاب العربی بیروت، صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث:164-163-162، دارالکتاب العربی بیروت، سنن النسائی:774، صحیح ابن حبان:48، مسند احمد:17850، المعجم الکبیر للبیہقی:377)

ترجمہ: ”حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پھر مجھے جبرائیل (علیہ السلام) ساتھ لے کر آسمان دنیا پر چڑھے تو انہوں نے دستک دی۔ تو پوچھا گیا: کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جبرائیل۔ دریافت کیا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: (سیدنا) محمد ﷺ۔ پس ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ پھر وہ مجھے ساتھ لے کر دوسرے آسمان پر چڑھے اور اس کا دروازہ کھولنے کے لئے کہا۔ تو دریافت کیا گیا: کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جبرائیل علیہ السلام۔

دریافت کیا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: حضرت محمد ﷺ۔ پس ہمارے لئے دروازہ کھولا گیا۔ اسی طرح تیسرے، چوتھے اور تمام آسمانوں کے دروازوں پر یہی پوچھا گیا کہ کون ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: جبرائیل (علیہ السلام)۔

وجہ استدلال

قبل ازیں بیان کیا گیا کہ آسمان ٹھوس اور سخت اجسام ہیں۔ ان میں شگاف یا منافذ نہیں ہیں۔ اور ہر آسمان کی موٹائی تقریباً 500 برس کی مسافت ہے۔ اور یہ حدیث صراحتہً اس بات پر دلیل ہے کہ دربان فرشتہ آسمان کے اوپر تھا اور جبرائیل (علیہ السلام) آسمان کے نیچے تھے۔ آپ نے دستک دی تو اس نے آسمان کے پار پوچھا کہ کون ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے نیچے سے سماعت کر کے جواب دیا: محمد ﷺ۔ غور فرمائیں کہ کیا ان کے درمیان کوئی ٹیلی فون یا موبائل کے ذریعے رابطہ ہوا یا آسمان کی موٹائی عام دیواروں کی طرح فٹ یا دو فٹ ہے۔ آخر جبرائیل علیہ السلام نے اتنی آسانی کے ساتھ اس کی آواز کو کیسے سماعت کیا؟ تو اس کے جواب میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ رب العزت نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بلکہ عام ملائکہ کو بھی ایسی قوت سماعت عطا فرمائی ہے کہ وہ آسمان پار بھی ایک دوسرے سے بآسانی ہم کلام ہو سکتے ہیں۔ اور آسمان اپنی صلابت اور موٹائی کے باوجود ان کی سماعتوں میں مزاحم اور رکاوٹ نہیں بنتے۔ نیز یہ حدیث اگرچہ حضور اکرم ﷺ کی سماعت پر ایک مستقل دلیل ہے کیونکہ تاجدار کائنات ﷺ نے بھی اس اوپر بیٹھے ہوئے فرشتے کی آواز کو سماعت فرمایا۔ لیکن ہم آقا کریم ﷺ کی سماعت اقدس کی وسعت کو انشاء اللہ عزوجل مستقل باب میں بیان کریں گے۔

دلیل نمبر 13:

حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سماع عن البعید پر قوی دلیل

حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کی قوت سماعت پر یہ حدیث بہت واضح دلیل ہے:

عن ابی حنیفة عن حماد، عن ابراهیم، عن علقمة، عن عبداللّٰه ابن مسعود قال جاء رجل الی رسول اللّٰه ﷺ قال هل یبقیٰ احد من الموحدین فی النار؟ قال نعم، رجل فی قعر جهنم ینادی بالحنان المنان، حتی یسمع صوته جبرائیل علیه السلام فیعجب من ذلک الصوت فقال العجب العجب حتی یصیر بین یدی عرش الرحمن ساجدا فیقول اللّٰه تبارک و تعالیٰ: ارفع راسک یا جبرائیل فیرفع راسه فیقول مارایت من العجائب، واللّٰه اعلم بما رآه فیقول یا رب (عزوجل) سمعت صوتا من قعر جهنم ینادی بالحنان والمنان......الی اخر الحدیث.

(مسند ابی حنیفہ من روایۃ ابی محمد عبداللہ بن محمد: رقم الحدیث:366، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ جہنم میں موحدین میں سے کوئی باقی ہوگا؟ فرمایا: ہاں ایک آدمی جو جہنم کی گہرائی میں ہوگا اور وہ (اللہ رب العزت کو) حنان، منان کہہ کر پکارے گا۔ یہاں تک جبرائیل علیہ السلام اس کی پکار کو سنیں گے، اور انہیں اس آواز سے تعجب ہوگا۔ پس وہ کہیں گے کہ

کتنے تعجب کی بات ہے یہاں تک کہ رحمٰن عزوجل کے عرش کے
سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا:
اے جبرائیل (علیہ السلام)! اپنا سر اٹھاؤ پس وہ اپنا سر اٹھائیں گے
پس اللہ جل مجدہ فرمائے گا کہ تو نے کون سی عجیب بات دیکھی؟
حالانکہ اللہ عزوجل خوب جانتا ہے۔ پس وہ عرض کریں گے کہ میں
نے جہنم کی گہرائی سے ایک آواز سنی کہ اس نے ''حنان، منان'' کہہ
کر پکارا۔ الی آخر الحدیث۔

اس حدیث کو امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حماد سے، انہوں نے حضرت ابراہیم اور انہوں نے حضرت علقمہ سے روایت کیا، اور یہ تمام راوی ثقہ ہیں، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو وہ صحابی ہیں کہ جو سفر و حضر کے ہر مرحلہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر رہتے، اور جن کا لقب ہی کتب احادیث میں یہ بیان ہوا ہے:

''صاحب النعلين والوسادة والمطهرة''.

(صحیح بخاری: کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب عبداللہ بن مسعود، رقم الحدیث: 3761، دارالکتاب العربی بیروت)

یہ حدیث جہاں حضور اقدس ﷺ کے باذن اللہ غیوب پر مطلع ہونے پر دلالت کر رہی ہے کہ اس آخری جنتی کے متعلق پیشگی بیان فرما دیا وہاں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی وسعت سماعت پر بہت قوی دلیل ہے۔ اس لئے کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ جہنم کی گہرائی تقریباً 70 برس کی مسافت ہے۔

(صحیح مسلم: کتاب الجنۃ، باب فی شدۃ حر نار جہنم، رقم الحدیث: 7168)

اور جبرائیل امین علیہ السلام کا مستقر سدرۃ المنتہیٰ ہے اور سدرۃ المنتہیٰ اور جہنم کی گہرائی کے درمیان لاکھوں برس کی مسافت ہے۔ اس جہنمی نے جہنم کی گہرائی

سے ''یا حنان، یا منان'' کہہ کر پکارا تو جبرائیل امین علیہ السلام نے سدرۃ المنتہیٰ پر اس پکار کو سماعت کر لیا اور یہ حدیث سماع عن البعید کے وقوع پر بہت قوی دلیل ہے۔ اور جب سیدنا جبرائیل امین علیہ السلام جو کہ حضور اقدس ﷺ کے امتی اور وزیر ہیں اگر آپ کی قوت سماعت کا یہ عالم ہے تو نبی الانبیاء والمرسلین اور مخدوم کائنات ﷺ کی قوت سماعت کا حال کیا ہوگا؟ چنانچہ حدیث پاک میں ہے:

عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ: "ما من نبی الا ولہ وزیران من اھل السمآء و وزیران من اھل الارض، فاما وزیرای من اھل السمآء، فجبرئیل و میکائیل، واما وزیرای من اھل الارض فابو بکر و عمر"

(جامع ترمذی: کتاب المناقب، باب مناقب ابی بکر وعمر، رقم الحدیث 3680، دارالمعرفہ بیروت)

ترجمہ: ''ہر نبی کے دو وزیر آسمانوں پر ہیں اور دو وزیر زمین والوں سے ہیں۔ پس آسمان والوں میں میرے دو وزیر جبرائیل اور میکائیل (علیہما السلام) ہیں، اور زمین والوں میں میرے دو وزیر ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) ہیں۔

دلیل نمبر 14:

آسمان کے ملائکہ کا آمین سماعت کرنا

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: اذا قال احدکم آمین. وقالت الملائکۃ فی السمآء آمین فوافقت احداھماالاخری غفرلہ ما تقدم من ذنبہ"

(صحیح بخاری: کتاب الاذان باب فضل التامین، رقم الحدیث:781، صحیح مسلم: کتاب

الصلوۃ باب التسمیع والتحمید والتامین، رقم الحدیث:917، جامع ترمذی: کتاب الصلوۃ باب ماجآء فی فضل التامین، رقم الحدیث:250، سنن ابی داؤد: کتاب الصلوۃ باب التامین وراء الامام، رقم الحدیث:936، سنن نسائی: کتاب الافتتاح، باب جہر الامام بالتامین، رقم الحدیث:927، موطا امام مالک:198، سنن بیہقی: جلد2، ص55، شرح السنۃ:587، مسند احمد:9921)

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص آمین کہتا ہے اور فرشتے بھی آسمان میں آمین کہتے ہیں اور دونوں میں سے ایک کا قول دوسرے کے موافق ہو جاتا ہے تو اس کے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔''

امام جب زمین میں ''غیر المغضوب علیھم ولاالضالین'' پڑھتا ہے تو زمین سے لے کر آسمان تک کے فرشتے اس کو سماعت کرتے ہیں۔ مقتدی بھی آمین کہتے ہیں اور ملائکہ بھی آمین کہتے ہیں، اور مقتدیوں میں جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو تو اس کے سابقہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ملائکہ آسمانوں پر ہونے کے باوجود زمین پر موجود امام کی قرات کو سماعت کرتے ہیں اور اختتام فاتحہ پر آمین کہتے ہیں اور یہ حدیث ملائکہ کے سماع عن البعید پر بہت قوی دلیل ہے۔

دلیل نمبر 15:

ملائکہ کی سماعت پر عقلی دلیل

حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ ملائکہ کا مادہ خلقت نور ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''خلقت الملائکۃ من نور''

(صحیح مسلم: کتاب الزہد والرقاق، باب فی احادیث متفرقہ رقم الحدیث:7495، دارالکتاب العربی بیروت)

ترجمہ: ''ملائکہ کو نور سے پیدا کیا گیا۔''

نور و روشنی کی رفتار سائنسی تحقیق کے مطابق 186000 میل فی سیکنڈ ہے۔ لہٰذا ملائکہ، نوری اجسام ہونے کی وجہ سے ہزاروں، لاکھوں، میل کا سفر چشم زدن میں طے کر لیتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ان للّٰہ ملائکۃ سیاجین یبلغون عن امتی السلام'' ھذا اسناد صحیح.

(مصنف عبدالرزاق: رقم الحدیث:3116، مسند دارمی: جلد2، ص 317، صحیح ابن حبان: رقم الحدیث:914، المستدرک الحاکم: جلد2، ص 421، مسند احمد: جلد1، ص441)

ترجمہ: ''اللہ عزوجل کے کچھ فرشتے ہیں جو زمین میں گھومتے رہتے ہیں اور وہ میری امت کی طرف سے سلام پہنچاتے ہیں۔''
(اس حدیث کی سند صحیح ہے)

حضور اقدس ﷺ کا جو غلام اور امتی خواہ وہ مشرق، مغرب اور شمال، جنوب جس خطہ زمین پر آباد ہو ملائکہ اس کا درود بارگاہ رسالت میں پہنچاتے ہیں، اور اگر آپ کا امتی آپ سے ہزاروں میل دور ہی کیوں نہ ہو وہ اگر دن میں ہزار بار آپ ﷺ پر درود وسلام پڑھتا ہے تو فرشتے ہزار مرتبہ وہاں سے مدینہ کا چکر لگاتے ہیں۔ بلکہ بعض صوفیاء بیان کرتے ہیں کہ ایک ہی مجلس میں بیٹھ کر جب آپ کا امتی آپ کی بارگاہ میں ہدیہ درود وسلام پیش کرتا ہے تو اس کا دوسرا درود شروع کرنے

سے پہلے، پہلا درود آپ کی بارگاہ میں پہنچا دیا جاتا ہے اور اگر وہ ہزار مرتبہ بھی درود پڑھتا ہے تو فرشتے اس کے اور مدینہ شریف کے درمیان ہزار چکر لگاتے ہیں اور اپنی سرعت اور برق رفتاری کی وجہ سے چشم زدن میں مدینہ شریف پہنچ جاتے ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ سدرۃ المنتہیٰ سے زمین تک تقریباً تین لاکھ سال کی مسافت ہے۔ اور جبرائیل امین علیہ السلام جن کا مستقر اور ٹھکانہ سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ وہاں سے زمین پر چند لمحات میں پہنچ جاتے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنی امت کے ضعف اور کمزوری کا اور احوال آخرت کا تصور فرمایا تو آپ پر رقت طاری ہوئی اور عرض کی: ''اللّٰھم امتی امتی'' اور آپ ﷺ رونے لگے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا: ''یا جبرائیل اذھب الیٰ محمد (ﷺ)'' یعنی اے جبرائیل (علیہ السلام) میرے محبوب محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ اور جا کر پوچھو کہ محبوب آپ کو کس چیز نے رلا دیا۔ (حالانکہ اللہ عزوجل زیادہ بہتر جانتا ہے) پس جبرائیل امین علیہ السلام نبی مکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے (رونے کا سبب) پوچھا۔ پس نبی مکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو خبر دی۔ جبرائیل علیہ السلام نے اللہ جل مجدہ کی بارگاہ میں واپس جا کر عرض کی (حالانکہ اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے)۔ تو اللہ عزوجل نے فرمایا: ''یا جبرائیل اذھب الیٰ محمد (ﷺ)'' یعنی اے جبرائیل (علیہ السلام) میرے حبیب مکرم ﷺ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو:

''انا سنر ضیک فی امتک ولا نسوءک''

(صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب دعاء النبی ﷺ رقم الحدیث:499، دار الکتاب العربی بیروت)

ترجمہ: ''اے حبیب مکرم ﷺ! آپ کی امت کے معاملہ میں ہم آپ کو راضی کر دیں گے اور آپ کو رنجیدہ نہیں کریں گے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جبرائیل امین علیہ السلام کی قوت رفتار کا عالم

یہ ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ سے زمین تک حضور اقدس ﷺ کی ایک ہی مجلس میں دو بار کا چکر لگایا۔ حالانکہ سدرۃ المنتہیٰ تک تین لاکھ سال کا فاصلہ ہے۔ یہ بات سمجھنے کے بعد اچھی طرح جان لیں کہ سماعت کا دائرہ کار قوت رفتار سے بڑھ کر ہوتا ہے، اور جب ملائکہ کی قوت رفتار کا یہ عالم ہے کہ وہ چشم زدن میں ہزاروں، لاکھوں میل کی مسافت طے کر لیتے ہیں تو ان کی سماعت کا دائرہ کار یقیناً اس سے وسیع ہو گا۔ جس پر یہ حدیث بڑی واضح دلیل ہے۔

دلیل نمبر 16:

قبر انور پر موجود فرشتے کی سماعت

حضرت عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”یا عمار ان للّٰہ ملکا اعطاہ اسماع الخلائق کلھا، وھو قائم علی قبری اذا مت الی یوم القیامة، فلیس احد من امتی یصلی علی صلاة الاسماہ باسمه و اسم ابیه، قال یا محمد، صلی علیک فلان کذا و کذا. فیصلی الرب عزوجل علی ذلک الرجل بکل واحدة عشرة.“

(مسند البزار: رقم الحدیث:3162-3163، مجمع الزوائد: جلد10، ص162، القول البدیع للسخاوی: ص107-108، جلاء الافہام للحافظ ابن قیم: رقم الحدیث:88-87-86، دارالکتاب العربی بیروت، التاریخ الکبیر للبخاری: جلد6، ص416)

ترجمہ: ”اے عمار! بے شک اللہ نے ایک فرشتے کو تمام مخلوق کی سماعت عطا فرمائی ہے اور جب میری وفات ہو گی تو وہ قیامت تک میری قبر پر کھڑا رہے گا۔ پس میری امت میں سے جو شخص بھی مجھ پر

درود پڑھے گا وہ اس کا اور اس کے باپ کا نام لے کر کہے گا: اے محمد ﷺ! فلاں فلاں شخص نے آپ (ﷺ) پر درود پڑھا ہے۔ پھر اللہ عزوجل اس کے ہر درود کے بدلہ میں اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔"

قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ قبر انور پر مقرر فرشتے کی سماعت کس قدر وسیع اور کامل ہے کہ روئے زمین پر جو بھی جن یا انسان جس وقت اور جہاں سے نبی مکرم ﷺ کی ذات پر درود و سلام پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ اس درود و سلام کو سماعت کرتا ہے اور پھر اس کو بارگاہ مصطفیٰ کریم ﷺ میں پیش کرتا ہے۔ ذرا تامل کریں کہ اگر کوئی انسان اس حدیث کے مطابق یہ عقیدہ رکھ کر درود و سلام پڑھے کہ قبر انور پر موجود فرشتہ باذن اللہ میرے اس درود و سلام کو سماعت کرے گا تو کیا یہ شرک ہے؟ اگر یہ شرک ہے تو کیا العیاذ باللہ تعالیٰ اس حدیث میں فرشتہ کو خدا کا شریک کہا گیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ جب فرشتہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہ باذن اللہ میرے درود کو سماعت کرے گا یہ شرک نہیں تو حضور نبی مکرم ﷺ جو تمام موجودات و مخلوقات میں افضل، ارفع اور اکمل ہیں ان کے بارے میں کوئی یہ عقیدہ رکھ کر درود و سلام پڑھے کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام باذن اللہ میرے درود و سلام کو سماعت فرمالیں گے تو یہ شرک کیسے بنے گا؟

اس حدیث نے اہلسنّت پر فتوائے شرک کا کلیۃً استیصال اور بیخ کنی کر دی اور اہلسنّت کے عقیدہ کی حقانیت و صداقت پر مہر تصدیق و توثیق ثبت کر دی۔

(والحمد للہ علی ذالک)

دلیل نمبر 17:

حوران جنت کی سماعت

"عن معاذ بن جبل رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ" لا توذی امرئۃ زوجھا فی الدنیا الا قالت لہ زوجۃ من الحوز العین لاتوذیہ قاتلک اللّٰہ فانما ھو عندک دخیل یوشک ان یفارقک الینا."

(سنن ترمذی: کتاب الرضاع، باب ما جاء فی کراہیۃ الدخول علی المغیبات، رقم الحدیث:1174، دارالمعرفہ بیروت، سنن ابن ماجہ: کتاب النکاح، باب المراۃ توذی زوجہا، رقم الحدیث:2014، دارالسلام ریاض)

ترجمہ: "حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: کہ جب کوئی عورت دنیا میں اپنے خاوند کو تکلیف اور اذیت دیتی ہے تو بڑی آنکھوں والی حور میں سے اس کی بیوی کہتی ہے کہ اس کو اذیت نہ دے اللہ تجھے ہلاک کرے یہ چند دن تیرے پاس مہمان ہے۔ عنقریب یہ تجھے چھوڑ کر ہمارے پاس آ جائے گا۔"

(اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے اپنی "مسند" میں اور خطیب تبریزی نے "مشکوۃ المصابیح" میں روایت کیا اور حافظ منذری نے کہا کہ امام ترمذی نے اس حدیث کی تحسین کی ہے۔ الترغیب والترہیب)

اس حدیث پر ایک نظر تدبر ڈالیں کہ جنت اور زمین کے درمیان 5000 سال کی مسافت ہے، اور پھر وہ حورعین نجانے کون سی جنت میں ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس حور اور زمین کے درمیان لاکھوں سال کی مسافت ہو۔ لیکن ہزاروں،

لاکھوں سال دور ہونے کے باوجود وہ حور جنت سے زمین پر چار دیواری میں موجود شوہر اور بیوی کے درمیان ہونے والے جھگڑے اور مباحثے کو سماعت بھی کر رہی ہے اور اس کا مشاہدہ بھی کر رہی ہے، اور اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس کے خاوند کو اس جھگڑے سے اذیت و تکلیف پہنچی ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ وہ روئے زمین کی کس جگہ میں رہتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ اس نے میرا خاوند بننا ہے۔ آپ غور کریں کہ حور عین کا مستقبل میں بننے والے خاوند سے تعلق فقط ازدواجی اور جسمانی ہے۔ اور وہ بھی ابھی قائم نہیں ہوا بلکہ ہزاروں، لاکھوں سال بعد جنت میں دخول پر قائم ہو گا۔ تو محض اگر جسمانی اور ازدواجی تعلق کی بناء پر وہ خاوند اور اس کے معاملات اُس سے مخفی و پوشیدہ نہیں اور وہ اس کے کلام کو سنتی ہے، اسے دیکھتی ہے تو مکین گنبد خضراء حضور محمد رسول اللہ ﷺ کا اپنے امتیوں سے تعلق تو روحانی اور معنوی ہے، اور وہ تعلق ہمہ وقت قائم اور متصل ہے۔ تو آپ اپنے اس روحانی و معنوی تعلق کی بناء پر چند ہزار میل سے اپنے امتیوں کے صلوٰۃ و سلام کو کیوں نہیں سماعت کر سکتے؟ فافھم و تدبر.

دلیل نمبر 18:

آخری جنتی کی وسعت رویت سے استدلال

عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال قال رسول اللہ ﷺ ''ان ادنی اھل الجنۃ منزلۃ، لمن ینظر الی جنانہ و ازواجہ و نعیمہ و خدمہ و سررہ مسیرۃ الف عام''.

(سنن ترمذی: کتاب صفۃ الجنۃ، باب ماجآء فی رؤیۃ الرب عزوجل، رقم الحدیث:2553، دارالمعرفہ بیروت)

ترجمہ: ''بے شک ادنیٰ جنتی کی منزلت یہ ہو گی کہ وہ اپنی

جنتوں، بیویوں، نعمتوں، خادموں اور تختوں کی طرف ایک ہزار سال
کی مسافت سے دیکھ رہا ہوگا۔"

یعنی ادنیٰ جنتی کی جو جہنم سے اپنی سزا بھگت کر جنت میں پہنچے گا اس کی رویت و بصارت کا دائرہ کار اتنا وسیع ہو گا کہ وہ ایک ہزار سال کی مسافت تک اپنے باغات کا مشاہدہ کرے گا اور ظاہر ہے کہ اعلیٰ جنتی کی وسعت رؤیت و بصارت اس سے بڑھ کر ہو گی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ ایک عام جنتی کی بصارت کو اتنا وسیع کر سکتا ہے تو وہ اس کی سماعت کو بھی اتنا وسیع فرما دے گا کہ وہ ایک ہزار سال کی مسافت سے سن لے گا جس پر قرآن سے دلیل پہلے گزر چکی ہے۔

دلیل نمبر 19:

جنت و دوزخ کا سماع عن البعید

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ "من سال الجنۃ ثلاث مرات، قالت الجنۃ اللّٰھم ادخلہ الجنۃ و من استجار من النار ثلاث مرات قالت النار اللّٰھم اجرہ من النار"

(سنن ترمذی: کتاب صفۃ الجنۃ، باب ما جآء فی صفۃ انہار الجنۃ، رقم الحدیث:2572، دارالمعرفہ بیروت، سنن نسائی: کتاب الاستعاذۃ من حرالنار، رقم الحدیث:5536، دارالسلام ریاض، سنن ابن ماجہ: کتاب الزہد، باب صفۃ الجنۃ، رقم الحدیث:4340، دارالسلام ریاض)

ترجمہ: "حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جو تین بار (اللہ جل مجدہ سے) جنت کا سوال کرتا ہے تو جنت کہتی ہے: اے اللہ عزوجل! اس کو جنت میں

داخل فرما اور جو تین بار جہنم سے پناہ طلب کرتا ہے تو جہنم کہتی ہے:
اے اللہ عزوجل! اس کو جہنم سے پناہ عطا فرما۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بندہ جب فرش زمین پر جنت کا سوال کرتا ہے تو جنت عرض کرتی ہے: اے اللہ! اس کو جنت عطا فرما اور جب جہنم سے پناہ مانگتا ہے تو جہنم کہتی ہے: اے اللہ عزوجل! اس کو جہنم سے پناہ دے اور یہ تب ہے کہ جنت اور دوزخ اس بندے کا کلام سماعت کریں۔قبل ازیں بیان ہوا کہ جنت کی مسافت 5000 برس ہے اور جہنم تحت الثریٰ میں ہے۔ جنت اور دوزخ ہزاروں سال کی مسافت دور ہونے کے باوجود اس کی دعا کو سماعت کرتی ہیں اور جواباً دعا دیتی ہیں۔اور یہ سماع عن البعید پر بہت واضح دلیل ہے۔

دلیل نمبر 20:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا

حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو دور سے پکارنا

''عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنھما ان عمر بعث جیشا و امر علیھم رجلا یدعیٰ ساریة. فبینما عمر یخطب فجعل یصیح. یا ساریة الجبل. فقدم رسول من الجیش فقال یاامیر المومنین. لقینا عدونا فھزمونا فاذا بصائح یصیح. یا ساریة الجبل فاسندنا ظھورنا الی الجبل فھزمھم اللّٰہ تعالیٰ.''

(فضائل الصحابۃ للامام احمد: جلد1، ص219، رقم الحدیث:355، دلائل النبوۃ للبیہقی: جلد6، ص370، دلائل النبوۃ لابی نعیم: جلد3، ص210، مشکوٰۃ المصابیح: جلد2، ص410، رقم الحدیث:5954، التفسیر الکبیر: جزء21، ص87، دارالفکر بیروت)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں

کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر روانہ فرمایا اور اس کا سالار ساریہ نامی ایک شخص کو مقرر کیا۔ ایک دن آپ خطبہ دے رہے تھے کہ دورانِ خطبہ اچانک آپ نے پکارا: اے ساریہ! پہاڑ کی اوٹ لو۔ (بعد میں) لشکر سے ایک قاصد آیا اور کہنے لگا: اے امیر المومنین! ہم دشمن سے لڑے اور وہ ہمیں شکست دینے کے قریب تھا کہ اچانک کسی پکارنے والے نے پکارا: اے ساریہ! پہاڑ کی اوٹ لے۔ ہم نے اپنی پشتیں پہاڑ کی طرف کر لیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست دی (اور ہمیں فتح عطا ہوئی)۔''

(نوٹ: نہاوند اور مدینہ کے درمیان تقریباً ایک ہزار میل کا فاصلہ ہے)

اس حدیث سے چند امور معلوم ہوئے:

1- دور سے پکارنے کا جواز (کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار میل دور سے یہ سمجھ کر کہ ساریہ اور اس کے لشکر والے میری آواز کو سماعت کر لیں گے پکارا)۔

2- دور سے سننے کا جواز (کہ حضرت ساریہ اور ان کے لشکر نے ایک ہزار میل دور سے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آواز کو سماعت کیا)۔

3- دور سے امداد کرنے کا جواز (کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار میل دور سے اس واقعہ کا مشاہدہ فرمایا اور رہنمائی فرما کر باذن اللہ اہل لشکر کی امداد فرمائی جس کے نتیجہ میں حضرت ساریہ اور ان کا لشکر فتح یاب ہوا)۔

یہاں کسی کے ذہن میں اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس واقعہ سے سماع عن البعید ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت تھی کہ آپ کی آواز وہاں تک پہنچ گئی۔ لیکن یہ ایک سطحی قسم کا اعتراض ہے۔ کیونکہ حضرت ساریہ نے بہرحال ایک ہزار میل کی مسافت سے سنا خواہ ان کی سماعت قوی ہو یا حضرت

عمر فاروق کی آواز قوی ہو۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کسی کی آواز کو اتنا قوی کر سکتا ہے کہ وہ ایک ہزار میل دور تک پہنچ جائے تو کسی کی سماعت کو اتنا قوی کیوں نہیں فرما سکتا کہ وہ ایک ہزار میل سے سماعت کر لے۔ حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کبھی کسی کی سماعت کو قوی کر کے دور کی آواز سنوا دیتا ہے تو کبھی کسی آواز کو قوی کر کے دور تک پہنچا دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں حسین احمد مدنی کی یہ عبارت ملاحظہ کریں:

''لفظ یا رسول اللہ علیہ السلام اگر بلا لحاظ معنیٰ اسی طرح نکلا ہے جیسے لوگ بوقت مصیبت و تکلیف ماں اور باپ کو پکارتے ہیں تو بلاشک جائز ہے۔ علی ہذا القیاس اگر بلحاظ معنیٰ درود شریف کے ضمن میں کہا جائے تو بھی جائز ہو گا۔ علی ہذا القیاس اگر کسی سے غلبہ محبت و شدت وجد و توفر عشق میں نکلا ہے تب بھی جائز ہے۔ اور اگر اس عقیدہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ تک اپنے فضل و کرم سے ہماری ندا کو پہنچا دے گا اگر چہ ہر وقت پہنچا دینا ضروری نہ ہو گا۔ مگر اس امید پر وہ ان الفاظ کو استعمال کرتا ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اصحاب ارواح طاہرہ و نفوس زکیہ جن کو مکانی اور کثافت جسمانی اپنے عرائض کی تبلیغ سے مانع نہ ہوں اس میں بھی کوئی قباحت نہیں۔''

(الشہاب الثاقب: ص208، ادارہ تحقیقات اہلسنّت، بلال پارک، لاہور)

علامہ تفتازانی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

''سماع سارية كلامه مع بعد المسافة''

ترجمہ: ''(اولیاء کی کرامات میں سے دور سے سننا بھی ہے) جیسے ساریہ نے مسافت کی دوری کے باوجود (حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا) کلام سنا۔''

(شرح العقائد: باب کرامات الاولیاء صفحہ 145، ضیاء القرآن لاہور)

نیز ملاعلی قاری اسی حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

"فیه انواع من الکرامة لعمر کشف المعرکة وایصال صوته و سماع کل منهم لصیحته"

ترجمہ: "اس روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہت ساری کرامات ہیں جیسے معرکے کا ظاہر ہونا اور آپ کی آواز کا پہنچنا اور ان میں سے ہر ایک کا آپ کی پکار کو سننا۔"

(مرقاۃ شرح مشکوۃ: جلد 11، صفحہ 334)

دلیل نمبر 21:

اولیاء کا سماع عن البعید

عن ابی هریرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال قال رسول اللّٰه ﷺ: "ان اللّٰه عزوجل قال: من عادی لی ولیا فقد اذنته بالحرب، وما تقرب الی عبدی بشیء احب الی مما افترضت علیه، وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبه، فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصره و یده التی یبطش بها و رجله التی یمشی بها وان سالنی لا عطینه ولئن استعاذنی لا عیذنه"

(صحیح بخاری: کتاب الرقاق، باب التواضع، رقم الحدیث:6137، صحیح ابن حبان: جلد2، ص58، رقم الحدیث:347، السنن الکبریٰ للبیہقی: جلد10، ص219، باب60)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میرے کسی ولی سے

عداوت رکھے میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں اور میرا بندہ ایسی کسی چیز کے ذریعے میرا قرب نہیں پاتا جو مجھے فرائض سے زیادہ محبوب ہو اور میرا بندہ مسلسل نفلی عبادات کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو ضرور عطا کرتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ مانگتا ہے تو میں اس کو ضرور پناہ دیتا ہوں۔''

وجہ استدلال

یہ حدیث قدسی معتقدات اہلسنّت کی تائید میں بہت قوی سند اور دلیل ہے، اور اس میں بطور خاص یہ جملہ ''کنت سمعه الذی یسمع به'' ہمارے موضوع سے متعلق ہے۔ وہ اس طرح کہ بندہ جب عبادات و ریاضات اور ادائیگی فرائض اور کثرت نوافل کے ساتھ قرب الٰہی عزوجل کے مقام و مرتبہ علیا تک پہنچتا ہے تو پھر اس بندے کو بشری کثافتوں سے منزہ ومجلی کر کے اسے انوار وتجلیات الٰہیہ کے بحر بے کراں میں غواصی کی سعادت میسر آتی ہے۔ اس بندہ کی تمام صفات پر صفت الٰہیہ کا پرتو پڑتا ہے اور اس محبوبیت اور قربت کے مقام پر وہ بندہ خاکی اللہ رب العزت کی صفات کا مظہر بن جاتا ہے۔ اب بظاہر اعضاء اس ولی کے ہیں لیکن ان سے تاثیر خدا عزوجل کی طرف سے ظاہر ہوتی ہے، اور اسی تاثیر ربانی کی وجہ سے قرب و بُعد کی مسافتوں کو اس کے لئے یکجا کر دیا جاتا ہے۔ اب یہ بندہ ولی جس

طرح قریب کی آواز کو بآسانی سماعت کرتا ہے اسی طرح اللہ رب العزت کی صفت سماعت کے پرتو اور فیض سے دور کی آواز کو بھی یکساں سماعت کرتا ہے، اور اس میں حقیقی کمال اس بندہ ولی کا نہیں بلکہ رب عزوجل کی صفت سماعت کے پرتو کا ہے۔ یہی بات انور شاہ کشمیری نے بیان کی۔

"قوله تعالیٰ کنت سمعه بصیغة المتکلم یدل علی انه لم یبق من المتقرب باالنوافل الا جسده و شبحه و صار المتصرف فیه الحضرة الالهیه فحسب"

(فیض الباری، شرح بخاری، جلد 4 ص 28)

ترجمہ: "اللہ رب العزت کا فرمان (کنت سمعه) متکلم کے صیغہ کے ساتھ اس پر دلالت کرتا ہے کہ نوافل کے ذریعہ قرب حاصل کرنے والے کا صرف جسم اور ظاہری ڈھانچہ باقی رہ گیا ہے۔ اور اس میں مدبر و متصرف صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔"

یہی مضمون ملا علی قاری نے بیان کیا:

"ان مابه الکمال من السمع والبصر و قوة القوی انما هو من آثار سمعه و بصره و قدرته و قوته واما هو معدوم محض." (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ: جلد 5، ص 55)

ترجمہ: "پس اس مقرب بندہ کی سمع، بصر اور تمام قوی کے کمالات حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی سمع و بصر اور قدرت و قوت کے آثار میں سے ہیں۔ رہا وہ بندہ تو وہ معدوم محض ہے۔"

علامہ سید محمد آلوسی حنفی بیان کرتے ہیں:

"لا یسمع بالسمع الانسانی بل یسمع بالسمع الربانی کما فی الحدیث القدسی کنت سمعه الذی یسمع

به الی آخره." (روح المعانی: جلد7، ص102)

ترجمہ: "بندۂ ولی سمع انسانی کے ساتھ نہیں سنتا بلکہ سمع ربانی کے ساتھ سنتا ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی (کنت سمعه الذی) میں وارد ہے۔"

امام فخر الدین رازی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"البعد اذا واظب علی الطاعات بلغ الی المقام الذی یقول الله تعالیٰ کنت له سمعا و بصرا فاذا صار نور جلال الله تعالیٰ سمعا له سمع القریب والبعید و اذا صار نور جلال الله تعالیٰ بصرا له رای القریب والبعید."

(التفسیر الکبیر: جلد5، ص688، دارالفکر بیروت)

ترجمہ: "بندہ جب طاعات و عبادات پر مواظبت کرتا ہے تو اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جس کے بارے میں اللہ جل مجدہ نے فرمایا (کنت سمعا و بصرا)۔ پس جب اللہ کا نور جلال اس کے کانوں پر پڑتا ہے تو وہ بندۂ ولی قریب اور دور کی آواز کو سنتا ہے، اور جب اللہ کا نور جلال اس کی آنکھوں پر پڑتا ہے تو وہ قریب اور بعید کی چیزوں کو دیکھتا ہے۔"

اس سلسلہ میں آخری قول حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا نقل کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"باید دانست کہ قرب دو قسم است قرب نوافل و قرب فرائض۔ قرب نوافل ایں است کہ صفات بشریہ سالک از وے زائل شوند و صفات حق تعالیٰ بروے ظاہر آیند چنانچہ زندہ می گرداند مردہ را و میراند زندہ باذن اللہ تعالیٰ و بشنو دو بیند از جمیع بدن خود و بشنود مسموعات

راو بہ بیند مبصرات را از بعید وعلی ھذا القیاس باقی صفات وے......''

(ضیاء القلوب: ص30)

ترجمہ: ''جاننا چاہیے کہ قرب دو قسم کا ہوتا ہے: قرب نوافل اور قرب فرائض۔ قرب نوافل یہ ہے کہ سالک کی بشری صفات اس سے زائل ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات اس پر ظاہر ہو جائیں چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے زندہ کو مار دے گا اور مردے کو زندہ کر دے گا۔ اور دور سے سنے گا اور دیکھے گا۔ اپنے پورے بدن کے ساتھ اور مسموعات کو دور سے سنے گا اور مبصرات کو دور سے دیکھے گا اور اس کی باقی صفات بھی اسی انداز کی ہوں گی۔''

سماع عن البعید پر چند واقعات

ذیل میں آپ کے سامنے چند اولیاء اور اکابرین دیو بند کے دور سے سننے پر چند واقعات بطور استشہاد استدلالاً پیش خدمت ہیں۔

دلیل نمبر 22

اشرف علی تھانوی نے محمد الشثینی (667ھ) کے بارے میں لکھا:

''آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے کہ آپ کا ایک خادم راستہ مین کسی لق و دق جنگل میں جا پہنچا اور اسے اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ تو اس نے ان سے امداد چاہی اور چلا تو ایک شخص کو محسوس کیا جو کچھ کہہ رہا ہے کہ یہ رہا راستہ تو راستہ پر پہنچ گیا۔''

(جمال الاولیاء: ص145 ' ممتاز اکیڈمی لاہور)

دلیل نمبر 23

امام عبدالوہاب شعرانی شیخ موسیٰ ابوعمران کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”و کان اذا ناداہ مریدہ اجابہ من میسرۃ سنۃ اذا اکثر“. (لوامع الانوار فی طبقات الاخیار: جلد2، ص21)

ترجمہ: ”کہ ابوعمران کو جب ان کا مرید ایک سال یا اس سے زیادہ عرصہ سفر کی مسافت سے پکارتا تو وہ اس کی پکار پر جواب دیتے تھے۔“

دلیل نمبر 24

اشرف علی تھانوی اپنے پیرو مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی کرامات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

میرے ایک دوست جو جناب بقیۃ السلف حضرت امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت تھے۔ حج خانہ کعبہ کو تشریف لے جاتے تھے۔ بمبئی سے آگبوٹ میں سوار ہوئے۔ آگبوٹ نے چلتے چلتے ٹکر کھائی اور قریب تھا کہ چکر کھا کر غرق ہو جائے جب انہوں نے یہ دیکھا کہ مرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اسی مایوسانہ حالت میں گھبرا کر اپنے پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا اور عرض کیا: اس وقت سے زیادہ اور کون سا امداد کا وقت ہوگا؟ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر و کارساز مطلق ہے۔

اس وقت ان کا آگبوٹ غرق ہونے سے بچ گیا اور تمام لوگوں کو نجات ملی۔ ادھر تو یہ واقعہ پیش آیا ادھر اگلے روز مخدوم جہاں اپنے خادم سے بولے: ذرا میری کمر دباؤ نہایت درد کرتی ہے۔ خادم نے کمر دباتے دباتے پیراہن مبارک جو اٹھایا تو دیکھا کہ کمر چھلی ہوئی ہے۔ اور اکثر جگہ سے کھال اتر گئی ہے۔ پوچھا: حضرت یہ کیا ہے؟

کمر کیوں چھلی ہوئی ہے؟ فرمایا: کچھ نہیں۔ پھر پوچھا: آپ خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ پھر دریافت کیا: حضرت یہ تو کہیں رگڑ لگی ہے اور آپ تو کہیں تشریف بھی نہیں لے گئے۔ فرمایا: ایک آگبوٹ ڈوبا جاتا تھا اس میں تمہارا دینی اور سلسلے کا بھائی تھا اس کی گریہ و زاری نے مجھے بے چین کر دیا۔ آگبوٹ کو کمر کا سہارا دے کر اوپر اٹھا لیا۔ جب آگے چلا اور بندگان خدا کو نجات ملی اس لیے چھل گئی ہو گی اور اسی وجہ سے درد ہے مگر اس کا ذکر نہ کرنا۔'' (کرامات امدادیہ: ص18)

اس واقعہ کو اشرف علی تھانوی نے بغیر جرح و تنقید کے نقل کیا ہے تو معلوم ہوا کہ اشرف علی تھانوی کو اس واقعہ کی صحت پر مکمل یقین ہے۔ جبھی اس کو اپنے پیر روشن ضمیر کی کرامات میں شمار کیا۔ اس واقعہ میں چند امور توجہ طلب ہیں۔ جن سے مسلک دیوبند کی فلک بوس عمارت زمین بوس ہوتی نظر آتی ہے۔

i عین مشکل اور غرقابی کی حالت میں اپنے پیر کی طرف مدد کے لیے رجوع کرنا۔

ii پیر کا مرید کی قلبی حالت اور کیفیت پر مطلع ہونا۔

iii پیر کا اپنے مرید کی امداد کے لیے جانا اور غرق ہونے والے آگبوٹ کو بچانا۔

قارئین کرام! اندازہ فرمائیں کہ ایک طرف تو مکین گنبد خضرا ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ کہ حضور اقدس ﷺ دور کی آواز سماعت نہیں فرماتے اور نہ ہی کسی کی امداد فرماتے ہیں اور یہ نظریہ و عقیدہ شرک و کفر ہے، اور دوسری طرف اپنے پیرو مرشد کے لیے یہاں تک تسلیم کرنا کہ دور کی آواز سننا تو کجا وہ دور سے دل کی حالت پر مطلع ہوئے اور نہ صرف مطلع ہوئے بلکہ عین اس مشکل کے عالم میں اپنے مرید کی جا کر امداد بھی کی۔ نہ اس سے مرید کی توحید میں فرق آیا کہ جس نے حاجی صاحب کے متعلق یہ نظریہ رکھا کہ آپ دور سے میری قلبی حالت پر مطلع ہو جائیں

گے اور امداد بھی فرمائیں گے اور نہ ہی اشرف علی تھانوی کی توحید میں فرق آیا جس نے اس واقعہ کو بغیر جرح وتنقید کے نقل کر کے اس پر اپنی مہر توثیق وتصدیق ثبت کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ علمائے دیوبند کے نزدیک حضور اقدس ﷺ کے بارے میں اور اپنے پیر کے بارے توحید کا معیار جدا جدا ہے۔

دلیل نمبر 25

چنانچہ رشید احمد گنگوہی نے اپنی مشہور کتاب ''امداد السلوک'' میں لکھا:

''مرید کو یقین کے ساتھ یہ جاننا چاہیے کہ شیخ کی روح کسی خاص جگہ میں مقید ومحدود نہیں ہے۔ پس مرید جہاں بھی ہوگا خواہ قریب ہو یا بعید تو گو شیخ کے جسم سے دور ہے لیکن اس کی روحانیت سے دور نہیں۔ جب اس مضمون کو پختگی سے جانتے رہے گا اور ہر وقت شیخ کو یاد رکھے گا تو ربط قلب پیدا ہو جائے گا اور ہر دم استفادہ ہوتا رہے گا، اور مرید کو جب کسی واقعہ کے کھولنے میں شیخ کی حاجت پیش آئے گی تو شیخ کو اپنے قلب میں حاضر جان کر بزبان حال سوال کرے گا اور ضرور شیخ کی روح باذن خداوندی اس کو القا کر دے گی۔''

(امداد السلوک: ص68-67، ادارہ اسلامیات انارکلی۔ لاہور)

اس عبارت سے واضح ہوا کہ مرید شیخ کی روحانیت سے دور نہیں اگرچہ وہ جسم سے دور ہی کیوں نہ ہو، اور اہلسنّت کے تمام متکلمین کے نزدیک انسان کے وجود میں حقیقی سامع، باصر اور فاہم روح ہے نہ کہ جسم۔ سو جب روح مرید کے قریب ہے تو معلوم ہوا کہ پیر اپنے مرید کو دیکھتا بھی ہے اور اس کی پکار کو سنتا بھی ہے۔ ایک طرف پیر کے متعلق یہ نظریات اور دوسری طرف سید الانبیاء کے متعلق یہ عقیدہ کہ وہ اپنے امتی کو نہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی اس کے صلوٰۃ وسلام کو سنتے ہیں تو اسے ایمان کی محرومی اور حرماں نصیبی نہ کہیں تو اور کیا کہیں؟

باب سوئم

حضور اقدس ﷺ کے دور سے سننے پر دلائل

سابقہ صفحات میں قارئین پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ دُور سے سننا نہ صرف یہ کہ ممکن ہے بلکہ واقع بھی ہے اور اگرچہ ان دلائل کے بعد حضور اقدس ﷺ کی سمع مبارک پر دلائل کے لیے مستقل باب کی حاجت نہیں ہے۔ اس لیے کہ جب حوران جنت' اہل جنت' ملائکہ اور اولیاء کے لیے سماع عن البعید ثابت ہے تو سید الانبیاء و المرسلین جو جامع المحاسن' مصدر کمالات اور منبع جودو عطا ہیں اور مخلوقات کے تمام کمالات میں برزخ کبریٰ اور وسیلہ عظمیٰ ہیں۔ ان کے لیے بطریق اولیٰ سماع عن البعید ثابت ہوگا۔ لیکن ہم پھر بھی اتمام حجت کے لیے چند دلائل حضور اقدس ﷺ کی وسعت سماعت پر نقل کر رہے ہیں تا کہ عقیدہ اہلسنّت کی حقانیت امس وشمس کی طرح واضح ولائح ہو جائے۔

دلیل نمبر 26

اللہ رب العزت نے قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرمایا:

''اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ''. (سورۃ کوثر: 1)

ترجمہ: ''بے شک ہم نے (اے حبیب مکرم ﷺ) آپ کو کوثر کا مالک بنا دیا ہے۔''

اس آیت کریمہ میں لفظ ''کوثر'' میں عظمت و رفعت و کمال مصطفیٰ ﷺ کے بحر ذخار پوشیدہ و پنہاں ہیں' اور یہ ایک لفظ اپنے جلو میں جملہ خیرات و حسنات' ہر قسم کی حسی و معنوی' ظاہری و باطنی اور دنیوی و اخروی نعمتوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے چنانچہ حبر ھذہ الامۃ حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما لفظ ''کوثر'' کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

''الکوثر: الخیر الکثیر الذی اعطاہ اللہ ایاہ''

(صحیح بخاری: کتاب الرقاق باب فی الحوض رقم الحدیث:6578، دارالکتاب العربی بیروت' صحیح بخاری: کتاب التفسیر سورۃ انا اعطیناک الکوثر رقم الحدیث: 4966، دارالکتاب العربی بیروت)

ترجمہ: ''لفظ کوثر سے مراد ہر قسم کی خیر کثیر ہے جو اللہ رب العزت نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو عطا فرمائی ہے۔''

دُور سے سننا بھی ایک نعمت و خیر ہے۔ چنانچہ اس سے پچھلے باب سے معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بطور نعمت دور سے سننے کی قوت و طاقت عطا کی اور اللہ رب العزت اپنے اولیاء کو بھی بطور کرامت سماع عن البعید کی قوت عطا فرماتا ہے تو اس آیت میں لفظ ''کوثر'' سماع عن البعید کی نعمت و خیر کو بھی شامل ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ باذن اللہ دور کی آواز کی سماعت فرماتے ہیں۔

دلیل نمبر 27

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں فرمایا:

''وَمَا اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ'' (الانبیاء:107)

ترجمہ: ''(اے حبیب مکرم ﷺ) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

اس آیت کریمہ کی فخر المحدثین' غزالی زماں' علامہ احمد سعید کاظمی شاہ

صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بہت جامع تفسیر فرمائی ہے۔ آپ کی تفسیر کو من وعن نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

جب حضور اقدس ﷺ کا تمام عالمین کے لیے راحم ہونا ثابت ہو گیا تو راحما للعالمین ہونے کے لوازمات ومناسبات بھی ثابت ہو گئے۔ کیوں کہ قاعدہ کلیہ ہے کہ "اذا ثبت الشئی ثبت بجمیع لوازمه" جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو اپنے تمام لوازمات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔

کسی پر رحم کرنے کے لیے چار باتیں لازم ہیں۔

نمبر1: سب سے پہلے تو یہ امر لازم ہے کہ رحم کرنے والا زندہ ہو مردہ نہ ہو۔ کیوں کہ مردہ رحم نہیں کر سکتا۔ وہ خود رحم کا طالب اور مستحق ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر حضور ﷺ معاذ اللہ زندہ نہ ہوں تو راحما للعالمین نہیں ہو سکتے۔ جب آیت قرآنیہ سے حضور ﷺ کا راحماً للعالمین ہونا ثابت ہو گیا تو حضور ﷺ کا زندہ ہونا بھی ثابت ہو گیا۔

نمبر2: دوسری بات یہ ہے کہ صرف زندہ ہونے سے کسی پر رحم نہیں کیا جا سکتا جب تک رحم کرنے والا مرحوم کے حال کا عالم نہ ہو کیوں کہ بے خبر کسی پر کیا رحم کرے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ فرض کیجئے زید انتہائی مظلوم ہے اور چاہتا ہے کہ کوئی شخص اس پر رحم کر کے ظالم سے اسے بچائے۔ اس خواہش کو دل میں لے کر وہ عمرو کے پاس جاتا ہے اور اس سے رحم کی درخواست کرتا ہے عمرو اس کی درخواست کو سن لیتا ہے۔ مگر اسے کچھ معلوم نہیں کہ اس کا حال کیا ہے؟ وہ نہیں جانتا کہ یہ کس مصیبت میں مبتلا ہے اور کس نوعیت کے رحم کا طالب ہے اس لیے وہ اس سے دریافت کرتا ہے کہ تمہیں کیا تکلیف ہے اور تم کس طرح کی مہربانی چاہتے ہو؟ اب اگر زید اسے اپنا حال نہ بتائے اور یہی کہتا رہے کہ آپ میرا حال نہ پوچھیے بس مجھ پر

رحم کر دیجئے تو کیا عمرو اس پر رحم کر سکتا ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں۔ جب تک وہ اپنا حال نہ بتائے اور عمرو اس کے حالات سے پوری طرح باخبر نہ ہو، اس وقت تک وہ اس پر قطعاً رحم نہیں کر سکتا۔ آیت قرآنیہ کی روشنی میں حضور ﷺ راحما للعالمین ہیں تو جب تک حضور ﷺ تمام عالمین کا ماسوی اللہ جمیع کائنات ومخلوقات کے حالات کو نہ جانیں اور جمیع ما کان و ما یکون کا علم حضور ﷺ کو نہ ہو اس وقت تک حضور ﷺ راحما للعالمین نہیں ہو سکتے۔ جب حضور ﷺ کا راحما للعالمین ہونا ثابت ہے تو تمام کائنات کے احوال کا عالم ہونا بھی ثابت ہو گیا۔

نمبر3: تیسری بات یہ ہے کہ صرف عالم ہونے سے بھی کسی پر رحم نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ رحم کرنے والا مرحوم تک اپنی رحمت ونعمت پہنچانے کی قدرت واختیار نہ رکھتا ہو۔ مثال کے طور پر ایک شخص شب و روز ہمارے پاس مقیم ہے۔ وہ دن رات اللہ تعالیٰ کی عبادت و طاعت میں مشغول رہتا ہے اور عبادت وریاضت کرتے کرتے وہ اس قدر ضعیف و ناتواں ہو گیا ہے کہ اس کے لیے چلنا پھرنا اور اٹھنا' بیٹھنا تک دشوار ہو گیا ہے۔ اگر ایسے شخص کو ڈاکہ زنی اور قتل و غارت کے الزام میں پکڑ کر تختہ دار پر لٹکایا جائے اور وہ بے گناہ اس وقت ہم سے رحم کی درخواست کرتے ہوئے کہے کہ آپ خوب جانتے ہیں کہ میں بے گناہ ہوں آپ مجھ پر رحم کیوں نہیں کرتے تو ہم اسے یہی جواب دیں گے کہ واقعی ہم آپ کے حال سے اچھی طرح باخبر ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ آپ بے گناہ ہیں مگر فقط جاننے سے کیا ہوتا ہے؟ ہمارے پاس وہ قدرت نہیں کہ آپ کو تختہ دار سے بچا لیں۔ اپنی رحمت آپ تک پہنچانے کا جب تک ہمیں اختیار نہ ہو اور قدرت نہ پائی جائے اس وقت تک ہم آپ پر رحم نہیں کر سکتے۔ معلوم ہوا قدرت و اختیار

کا ہونا بھی رحم کرنے کے لیے ضروری ہے۔ جب حضور ﷺ تمام مخلوقات اور کل کائنات کے لیے علی الاطلاق راحم ہیں تو ہر ذرہ کائنات تک رحمت و نعمت پہنچانے کی قدرت و اختیار بھی حضور ﷺ کے لیے حاصل ہے۔

نمبر4: چوتھی بات یہ ہے کہ صرف قدرت و اختیار سے بھی کام نہیں چلتا۔ کسی پر رحم کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ رحم کرنے والا مرحوم کے قریب ہو اور مرحوم، راحم کے قریب ہو۔ اس بات کو ایک مثال کے ذریعے یوں سمجھیے کہ مثلاً آپ تین فرلانگ کے فاصلہ پر کھڑے ہیں اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خونخوار دشمن نے آپ کے مخلص دوست پر حملہ کر دیا وہ چلاّ کر آپ سے رحم کی درخواست کرنے لگا۔ آپ اس کی مدد کے لیے دوڑے اور خلوص قلب سے اس پر رحم کرنے کے لیے آگے بڑھے مگر آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی دشمن نے اسے ہلاک کر دیا۔ اب غور کریں۔ آپ زندہ بھی ہیں اور اس دوست کو بچشم خود ملاحظہ بھی فرما رہے ہیں اور اس کے حال کے بھی عالم ہیں، رحم کرنے کی قدرت اور طاقت بھی آپ کے اندر پائی جاتی ہے۔ آپ اپنے اختیار سے رحم کر سکتے ہیں لیکن صرف اس وجہ سے کہ وہ مخلص دوست آپ سے دور ہے اور آپ اس سے دور ہیں۔ آپ اپنی حیات، قدرت و اختیار کے باوجود بھی اس پر رحم نہیں کر سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ رحم کرنے والے کے لیے راحم کا مرحوم سے قریب ہونا بھی ضروری ہے۔

جب آیت قرآنیہ سے رسول اللہ ﷺ کے لیے تمام جہانوں اور مخلوقات کے ہر ذرے کے لیے راحم ہونا ثابت ہو گیا تو یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ حضور ﷺ اپنی روحانیت و نورانیت کے ساتھ تمام کائنات کے قریب ہیں اور ساری کائنات حضور ﷺ سے قریب ہے۔

جس طرح حضور اقدس ﷺ کا یہ فرمان عالی شان ہے:

''ان اللّٰہ رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا والی ما ھو کائن فیھا الٰی یوم القیامۃ کانما انظر الی کفی ھذہ''

ترجمہ: بے شک اللہ جل مجدہ نے میرے لیے دنیا کے حجاب اور پردے اٹھا دیئے ہیں۔ پس میں دنیا کی طرف اور جو کچھ اس دنیا میں قیامت تک ہونے والا ہے اس کی طرف ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی۔''

ایک شبہ کا ازالہ

اگر یہاں یہ شبہ پیدا کیا جائے کہ ایک ذات تمام جہانوں کے قریب کیسے ہوسکتی ہے؟ ایک فرد کسی ایک سے قریب ہوگا تو اس کے علاوہ باقی سے دور ہوگا۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ فرد واحد افراد کائنات میں سے ہر فرد کے قریب ہو۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جن دو کے درمیان نزدیکی متصور ہے اگر وہ دونوں کثیف ہوں تو واقعی ایسا ہی ہوگا کہ فرد واحد افراد مختلفہ فی الزمان والمکان سے بیک وقت قریب نہیں ہوسکتا، اور اگر دونوں لطیف ہوں یا دونوں میں سے کوئی ایک لطیف ہو تو جو لطیف ہوگا وہ بیک وقت تمام موجودات کائنات سے قریب ہوسکتا ہے جس سے کوئی شرعی یا عقلی استحالہ لازم نہیں ہوتا۔ دیکھیے ایک ہی قرآن سارے جہان میں پایا جاتا ہے۔ مشرق و مغرب' شمال و جنوب' افریقہ و امریکہ' چین و جاپان میں ہر مسلمان حافظ قرآن کے سینے میں ایک ہی قرآن ہے اور وہ ایک ہونے کے باوجود سب سے قریب ہے۔ عالم محسوسات میں شکل و صورت اور آواز ہی کو لے لیجئے کہ ایک شکل ایک صورت اور ایک ہی آواز بے شمار دیکھنے اور سننے والوں سے قریب ہے ایک بولنے والے کی آواز تمام سامعین کے کانوں میں پہنچتی ہے اور ایک ہی شکل و صورت سب دیکھنے والوں کی آنکھوں اور دماغوں میں پائی جاتی ہے۔ اس

کی وجہ صرف یہ ہے کہ اگرچہ حافظان قرآن کثیف ہیں اسی طرح سننے' دیکھنے والے انسان بھی کثافت سے متصف ہیں۔ لیکن قرآن' شکل وصورت اور آواز یہ سب چیزیں لطیف ہیں اس لیے سب کے قریب ہیں کسی سے دور نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی لطافت اتنی قوی اور ارفع و اعلیٰ ہے جس کی شان کو کائنات ومخلوقات کی کوئی لطیف سے لطیف چیز بھی نہیں پہنچ سکتی۔ اس لیے حضور ﷺ کا تمام افراد کائنات سے قریب ہونا بالکل واضح اور روشن ہے۔ ہم کثیف سہی لیکن حضور ﷺ تو لطیف ہیں۔ لہٰذا حضور ﷺ کا ہم سب سے قریب ہونا کوئی امر دشوار نہیں۔ الی آخر الکلام

(مقالات کاظمی: جلد 1' ص 103-100، مکتبہ ضیائیہ، راولپنڈی پاکستان)

دلیل نمبر 28

حضور اقدس ﷺ کا امت کی جانوں سے بھی قریب ہونا

اللہ رب العزت نے قرآن مجید' فرقان حمید میں ارشاد فرمایا:

''اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ''. (الاحزاب:6)

ترجمہ: ''نبی (کریم ﷺ) مسلمانوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں۔''

اس آیت کریمہ میں لفظ ''اولیٰ'' کی متعدد تفاسیر وتعبیرات ہیں جس میں ایک تفسیر لفظ اولیٰ کی ''اقرب'' کے ساتھ بھی ہے۔ چنانچہ سید محمود آلوسی حنفی روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ:

''(النبی اولی) ای احق و اقرب الیھم'' (من انفسھم)

(تفسیر روح المعانی: ج 21' ص 202' داراحیاء التراث العربی بیروت)

ترجمہ: ''نبی کریم ﷺ کے اولیٰ ہونے کا مطلب ہے کہ سرکار

ﷺ ایمان والوں کی جانوں کے ان سے بڑھ کر حق دار ہیں اور ایمان والوں کی جانوں سے بھی بڑھ کر قریب ہیں۔"

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"روئے مبارک سوئے یاران کرد وفرمود "الستم تعلمون انی اولی بالمومنین من انفسھم" نمے دانید شما کہ نزدیک تر و دوست ترم بمومناں از ذات ہائے ایشاں چناں کہ در قرآن مجید ہم مذکورست...... قالوا بلٰی گفتند صحابہ آرے تو نزدیک ترین و دوست ترین بمومناں ہستی از نفوس ایشاں"۔ (مدارج النبوۃ: ج2، ص401)

ترجمہ: "جب حضور اقدس ﷺ منزل غدیر خم پر پہنچے صحابہ کرام کی طرف رخ انور فرمایا اور ارشاد فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ بے شک میں مومنوں سے بہ نسبت ان کی جانوں کے زیادہ نزدیک اور زیادہ دوست ہوں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بھی مذکور ہے کہ نبی مومنوں سے بہ نسبت ان کی جانوں کے زیادہ نزدیک ہیں۔ صحابہ نے عرض کی: جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ! آپ مومنوں سے بہ نسبت ان کی جانوں کے زیادہ نزدیک اور زیادہ دوست ہیں۔"

نیز شیخ محقق فرماتے ہیں:

"النبی اولی بالمومنین می انفسھم"
"پیغمبر نزدیک تر است بمومناں از ذات ہائے ایشاں"۔

(مدارج النبوۃ: ج1، ص81)

بانی مدرسہ دیوبند قاسم نانوتوی نے لکھا:

"النبی اولی بالمومنین من انفسھم جس کے یہ معنی ہیں کہ

نبی زیادہ نزدیک ہے مومنوں کے بہ نسبت ان کی جانوں کے۔ یعنی
ان کی جانیں ان سے اتنی نزدیک نہیں جتنا نبی ان سے نزدیک ہے۔
اصل معنی اولیٰ کے اقرب ہیں''۔ (آب حیات: ص58)

نیز قاسم نانوتوی نے ایک دوسرے مقام پر لکھا:

''النبی اولی بالمومنین من انفسهم گو بہ لحاظ صلہ ''من
انفسهم'' کے دیکھیے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو
اپنی امت کے ساتھ وہ قرب حاصل ہے کہ ان کی جانوں کو بھی ان
کے ساتھ حاصل نہیں۔ کیوں کہ اولیٰ بمعنی اقرب ہوا''

(تحذیر الناس: ص10)

مصباح اللغات جو کہ مکتب دیوبند کے کئی فضلاء کی مجموعی کاوشوں کا نتیجہ ہے اس میں ''ولی'' کا معنیٰ ''قریب ہونا'' لکھا ہے۔ اس اعتبار سے بھی اولیٰ بمعنی اقرب ہے۔ اولیٰ بمعنیٰ اقرب ہونے پر یہ حدیث بھی دلیل ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ان اولی الناس بی المتقون من کانوا و حیث کانوا''

(مسند احمد: جلد5' ص235' مشکوٰۃ المصابیح: کتاب الرقاق فصل 3،ص446)

ترجمہ: ''میرے بہت زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو متقی ہیں۔ جو
ہوں اور جہاں ہوں۔''

قارئین کرام! یہاں تک متعدد محققین کی تصریحات' لغت اور حدیث کی رو سے ثابت ہوا کہ اولیٰ کا ایک معنیٰ اقرب ہے۔ بلکہ بانی مدرسہ دیوبند نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اصل معنیٰ اولیٰ کے اقرب کے ہیں۔ سو جب حضور اقدس ﷺ مومنین کی جانوں سے بھی بڑھ کر قریب ہیں اور آپ اور آپ کی امت میں معنوی اور روحانی اعتبار سے کوئی فاصلہ' دوری اور بُعد ہے ہی نہیں تو حضور اقدس ﷺ کے

ظاہری اور جسمانی اعتبار سے سماع عن البعید یعنی دور سے سننے پر کیا استحالہ لازم آتا ہے؟ کیوں کہ حقیقت میں سامع روح ہے۔ اور جب روحانی اعتبار سے حضور اقدس ﷺ اپنی امت کے قریب ہیں' دور نہیں ہیں تو معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ آج بھی قبر انور میں اپنے امتیوں کے صلوٰۃ وسلام کو باذن اللہ عزوجل اسی طرح سماعت فرماتے ہیں جیسا کہ اپنی ظاہری حیات طیبہ میں صحابہ کرام کی قریب کی آواز کو سماعت فرماتے تھے۔ والحمد للہ علیٰ ذلک.

اور اپنی امت کے ساتھ یہ قرب ونزدیکی صرف دنیا کی زندگی میں نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے ہیں۔ چنانچہ حدیث صحیح ہے:

"عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قال "ما من مومن الا وانا اولی الناس بہ فی الدنیا والاخرۃ. اقرؤوا ان شئتم" (النبی اولی بالمومنین من انفسھم)

(صحیح بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ الاحزاب، رقم الحدیث: 4781، دارالکتاب العربی، بیروت)

ترجمہ: "کوئی مومن نہیں مگر میں دنیا میں اور آخرت میں تمام لوگوں کی بہ نسبت میں اس سے زیادہ قریب ہوں۔ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: النبی اولی بالمومنین من انفسھم"۔

دلیل نمبر 29

حضور اقدس ﷺ کے برہان مطلق ہونے سے استدلال

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اپنے حبیب مکرم ﷺ کی عظمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"یٰاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ".

(النساء:174)

ترجمہ: ''اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب (عزوجل) کی طرف سے برہان مطلق آ گیا۔''

اس آیت کریمہ سے حضور اقدس ﷺ کے سماع عن البعید پر استدلال کو سمجھنے سے پہلے تمہیداً یہ جان لیں کہ ہر زمانے میں جس فن وکمال کا عروج وشہرہ ہوتا اللہ رب العزت اس وقت کے نبی کو اس صنف کا کمال ومعجزہ عطا فرماتا۔ وہ نبی اس معجزہ کے ساتھ ان لوگوں کو تحدی وچیلنج کرتا جو اس وقت اس فن وکمال میں یدطولیٰ و مہارت کاملہ رکھتے۔ اور جب نبی کا معجزہ وکمال ان کے فن اور کمال پر غالب آ جاتا اور وہ نبی کے سامنے عاجز و بے بس ہو جاتے تو یہ بات نبی کی نبوت وصداقت پر بین دلیل و واضح برہان قرار پاتی اور اہل عقل ادنیٰ تامل سے اس حقیقت کا ادراک کر لیتے کہ جب یہ سب مل کر بھی اس فرد واحد کے کمال کا مقابلہ نہیں کر سکے تو لامحالہ اس کمال کی تائید میں غیبی قوت کارفرما ہے۔ اور یہ اللہ عزوجل کی طرف سے سچا رسول و نبی ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ اقدس میں سحر یعنی جادو کا فن نقطہ کمال پر تھا۔ ایک سے بڑھ کر ایک ماہر جادوگر موجود تھا۔ اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسی صنف کا کمال عطا فرمایا۔ جس کا ذکر قرآن مجید کے متعدد مقامات پر ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

''فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ''. (الاعراف:107)

ترجمہ: ''پس موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنا عصا پھینکا تو وہ واضح اژدھا بن گیا۔''

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام دربار فرعون میں پیغام توحید لے کر گئے تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو نہ صرف یہ کہہ کر مسترد کر دیا بلکہ آپ کو زیر نگین کرنے کے لیے ملک کے طول وعرض سے تقریباً ستر ہزار ماہر جادوگر طلب

کیے۔ مقررہ وقت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان ستر ہزار ماہر جادوگروں سے مقابلہ ہوا۔ انہوں نے اپنی رسیاں، ڈنڈے پھینکے اور اپنے جادو کا اظہار کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باذن اللہ اپنے معجزہ کا اظہار فرمایا اور آپ نے اپنا عصا مبارک پھینکا جو ایک بہت بڑے اژدھے کی صورت میں تبدیل ہوا اور اس نے ان تمام رسیوں اور لکڑیوں کو نگل لیا۔ یہ معجزہ دیکھ کر وہ جادوگر جو فرعون کی تائید اور کفر کے غلبہ کے لیے اور حق کے استیصال کے لیے آئے تھے، انگشت بدنداں رہ گئے۔ اور قسمت میں چونکہ ایمان تھا لہٰذا ادنیٰ تامل سے ان پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ جس کا مقابلہ ہم ستر ہزار ماہر جادوگر مل کر نہ کر سکے یقیناً وہ اللہ رب العزت کے سچے رسول و پیغمبر ہیں۔ وہ سب کے سب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ اقدس میں فن طب نقطہ کمال پر تھا۔ ایک سے بڑھ کر ایک ماہر اطباء موجود تھے لہٰذا اللہ رب العزت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسی صنف کا معجزہ عطا فرمایا، اور ایسا کہ تمام اطباء اس فن کے اظہار سے عاجز ہو گئے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

"وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا ۢ بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ". (سورۃ المائدۃ:110)

ترجمہ: "اور جب آپ بناتے مٹی سے پرندے کی صورت پس آپ اس میں پھونکتے تو وہ میرے اذن سے پرندہ بن جاتا، اور آپ شفا دیتے مادر زاد اندھے اور برص کے مریض کو میرے اذن سے اور جب آپ مردوں کو زندہ کرتے میرے اذن سے۔"

اس طرح کی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن ان مثالوں سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ نبی کا کمال اور معجزہ، امت کے جملہ فنون و کمالات پر حاوی

اور غالب ہوتا ہے، اور اسی معنیٰ میں نبی کے کمال کو معجزہ (یعنی عاجز کر دینے والا کام) کہتے ہیں۔ اس حقیقت کو ذہن نشین کرنے کے بعد یہ سمجھ لیجئے کہ سرکار دو عالم ﷺ خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد قیامت تک کوئی دوسرا نبی نہیں آ سکتا ہے۔ اس لیے آپ قیامت تک بنی نوع انسان بلکہ جملہ مخلوقات و موجودات کے نبی اور رسول ہیں۔ اللہ رب العزت نے آپ کی نبوت و رسالت کو وہ ہمہ گیریت اور کلیت عطا فرمائی ہے کہ موجودات و مخلوقات کا کوئی فرد اس سے خارج نہیں، اور یہ مضمون قرآن و حدیث کی متعدد نصوص میں موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

1- مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. (الاحزاب:40)

ترجمہ: ''(حضرت) محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ (عزوجل) کے رسول اور تمام نبیوں میں آخری ہیں۔''

2- وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ. (الانبیاء: 170)

ترجمہ: ''اے حبیب مکرم (ﷺ) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

3- تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْراً. (الفرقان:1)

ترجمہ: ''بڑی برکت والا ہے وہ جس نے فرقان کو اپنے بندہ خاص پر نازل فرمایا۔ تاکہ وہ تمام جہانوں کو ڈرانے والا ہو جائے۔''

4- يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعاً. (الاعراف:158)

ترجمہ: ''اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''

اور حدیث پاک میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"انا خاتم النبیین لا نبی بعدی"

(سنن ترمذی: کتاب الفتن، باب ماجآء لاتقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون، رقم الحدیث: 2217، دارالمعرفہ بیروت' سنن ابوداؤد: کتاب الفتن، باب ذکر الفتن، رقم الحدیث:4252، دارالسلام ریاض' سنن ابن ماجہ: کتاب الفتن، باب ما یکون من الفتن، رقم الحدیث:3952' مصنف ابن ابی شیبہ: رقم الحدیث:3565' المستدرک: رقم الحدیث:8390' المعجم الاوسط: رقم الحدیث:397)

ترجمہ: "میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

نیز فرمایا:

"ارسلت الی الخلق کافۃ"

(صحیح مسلم: کتاب المساجد، رقم الحدیث:523' جامع ترمذی: کتاب السیر، باب ماجآء فی الغنیمۃ، رقم الحدیث:1553)

ترجمہ: "مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔"

سو قیامت تک آپ کی امت میں علوم وفنون کا ارتقاء ہو یا کمال میں نقطہ عروج۔ امت خواہ امت اجابت ہو یا دعوت۔ نبی مکرم ﷺ اپنے جملہ معجزات و کمالات اور علوم و معارف کے اعتبار سے ہمیشہ کے لیے سب پر حاوی و غالب ہیں۔ چنانچہ سائنس نے ترقی کی اور حضرت انسان کو چاند تک پہنچا دیا۔ لیکن میرے مصطفیٰ کریم ﷺ نے چودہ سو سال پہلے جب کہ سائنسی ترقی کا نام ونشان تک نہ تھا کائنات سماوی کی سیر فرمائی اور یہ چاند تو آپ کی گرد نورانی میں چھپ گیا۔ علیٰ ھذا القیاس حضور اقدس ﷺ اپنی ہر صفت معجزانہ کے اعتبار سے امت کے تمام کمالات پر غالب ہیں۔ اس لیے کہ اللہ رب العزت نے آپ کو برہان مطلق' سراپا معجزہ و کمال قرار دیا۔ پہلے انبیاء علیہم السلام کی نبوت و رسالت کا دائرہ کار چونکہ محدود تھا لہٰذا ان کو معجزات بھی محدود و معدود عطا فرمائے۔ لیکن مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کا زمانہ نبوت جہات وسمات کے تعین سے ناآشنا ہے۔ لہٰذا اللہ رب العزت

اپنے حبیب ﷺ کو گنے چنے' محدود و معدود معجزات عطا نہیں فرمائے بلکہ سراپا معجزہ و کمال اور برہانِ مطلق بنا دیا۔ آپ کی سماعت بھی معجزہ بنا دی۔ چونکہ رب کائنات کو معلوم تھا کہ میرے حبیب ﷺ کی امت میں یہ کمال ظاہر ہوگا کہ وہ سائنسی آلات و ارتقاء کے ذریعے لاکھوں میل دور کی آواز کو بالکل قریب سے سنیں گے۔ سو اگر حضور اقدس ﷺ کی سماعت کا دائرہ کار عام انسانوں کی طرح محدود ہوتا تو اس سے حضور اقدس کی امت پر اس صفت کے اعتبار سے اعجازی و انفرادی شان کیسے ظاہر ہوتی؟ امت پر اس کمال کے اعتبار سے غلبہ کیسے ظاہر ہوتا؟ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ جب حضور اقدس ﷺ اپنے امت کے تمام کمالات پر حاوی و غالب ہیں تو یقیناً اس کمال پر بھی حاوی و غالب ہیں اور کہا جا سکتا ہے کہ سائنس نے دربدر کی ٹھوکریں کھا کر مختلف تحقیقی مراحل و ادوار طے کر کے مادی آلات کے ذریعے آج جب تاریخ انسانیت کا بہت سا حصہ گزر گیا، یہ کمال حاصل کیا ہے کہ اس نے موبائل' ٹیلی فون' ٹیلی ویژن وغیرہ کے ذریعے دور کی آواز کو بآسانی سنوا دیا، اور وہ بھی کبھی لائٹ نہیں تو رابطہ منقطع' کبھی سگنل نہیں تو رابطہ منقطع اور یہ رابطہ بھی صرف زمینی حدود بلکہ اس کے بھی بعض حصوں تک محدود ہے۔ لیکن ذرا مصطفیٰ کریم ﷺ کی سماعت اقدس کا اعجاز تو ملاحظہ فرمائیں کہ چودہ سو سال پہلے جب کہ سائنسی تحقیق و ترقی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ بغیر مادی و سائنسی آلات کے زمین پر تشریف فرما ہو کر ملکوتی و سماوی کائنات کی آوازوں کو سماعت کیا۔ آسمانوں پر تشریف لے گئے تو زمینی آوازوں کو جنت میں سماعت فرما لیا۔ واضح فرما دیا کہ میری سماعت اقدس کو میرے رب عزوجل نے اتنا قوی و وسیع کر دیا ہے کہ میرا امتی' شرق تا غرب شمال تا جنوب' تحت تا فوق جہاں سے بھی مجھ پر ہدیہ و درود و سلام پیش کرتا ہے تو میں بنفس نفیس اس کے درود و سلام کو سماعت کرتا ہوں۔ سو وہ لوگ جو آج کے اس سائنسی دور میں بھی سماعت مصطفیٰ ﷺ کی تنقیص و تحدید و تعیین کے درپے ہیں اور اپنی عقل

کے ناقص و محدود معیار سے حضور اقدس ﷺ کی عظمت صفات کا تعین کرتے ہیں وہ آج کی اس مادی و سائنسی ترقی کے مقابلہ حضور اقدس ﷺ کی برتری' فوقیت' کمال اور غلبہ کس طرح ثابت کریں گے؟

دلیل نمبر 30

آسمانوں کی آواز کو سماعت فرمانا

''عن ابی ذر قال' قال رسول اللّٰہ ﷺ انی اری ما لا ترون واسمع ما لا تسمعون' اطت السماء وحق لها ان تئط ما فيها موضع اربع اصابع الا و ملک واضع جبهته ساجد اللّٰه' واللّٰه لو تعلمون ما اعلم لضحكتم قليلا و لبكيتم كثيرا''

(سنن الترمذی: کتاب الزہد، باب فی قول النبی ﷺ لو تعلمون ما اعلم رقم الحدیث: 2312، دارالمعرفہ بیروت' سنن ابن ماجہ: کتاب الزہد، باب الحزن و البکاء، رقم الحدیث: 4190، دارالسلام ریاض)

ترجمہ: ''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ (دلیل یہ ہے) کہ آسمانوں سے چرچرانے کی آواز آئی ہے اور حق بھی یہ ہے کہ وہ چرچرائے کیوں کہ اس میں ایک چار انگل کے برابر جگہ ایسی نہیں جہاں کوئی فرشتہ اللہ رب العزت کے حضور سجدہ ریز نہ ہو۔ خدا عزوجل کی قسم! اگر تم وہ جان لو جو میں جانتا ہوں تو ضرور تم کم ہنسو اور زیادہ روؤ گے۔''

قارئین کرام! مدار ایمان' اساس دین' اور بنیاد اسلام' حضور نبی مکرم ﷺ کی محبت ہے چنانچہ حدیث صحیح میں ہے:

عن انس رضی اللّٰہ عنہ قال قال النبی ﷺ: "لایومن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین." (متفق علیہ)

(صحیح بخاری: کتاب الایمان، باب حب الرسول ﷺ من الایمان، رقم الحدیث:15' دارالکتاب العربی بیروت۔ صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب وجوب محبۃ الرسول ﷺ، رقم الحدیث:44' دارالکتاب العربی بیروت)

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کے والد' اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔" (یہ حدیث متفق علیہ ہے)

مغز قرآن' روح ایمان' جان دین
ہست حب رحمتہ للعالمین ﷺ
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
گر باو نرسیدی تمام بولھبی است

اور حضور نبی مکرم ﷺ کی محبت اور آپ کے عشق میں وارفتگی تب پیدا ہوگی جب سرکار دو عالم ﷺ کے خداداد کمالات' معجزات' محامد و محاسن اور عظمتوں پر محکم اور غیر متزلزل ایمان ہو۔ آپ کو آپ کی ذات و صفات میں بے مثل' بے مثال' یکتا' منفرد اور شان اعجازی و انفرادی سے متصف سمجھا جائے اور اگر العیاذ باللہ آپ ﷺ کی مثلیت اور برابری کا تصور ذہن میں آ گیا تو نہ ہی عظمت مصطفیٰ ﷺ کا عقیدہ دلوں میں محکم ہوگا اور نہ ہی آپ کی محبت اور اس کے نتیجہ میں ایمان دلوں

میں برقرار رہے گا۔ اس لیے سرکار دو عالم ﷺ نے متعدد مقامات پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سامنے اپنی شان یکتائی' انفرادیت اور بے مثلیت کو بیان فرمایا۔

چنانچہ حدیث پاک ہے:

عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنھما قال: "نھی رسول اللّٰہ ﷺ عن الوصال' قالوا انک تواصل! قال انی لست مثلکم. انی اطعم و اسقی" و فی راویۃ ایکم مثلی' انی ابیت عند ربی فیطعمنی و یسقینی و فی روایۃ لست کھیئتکم.

(صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب الوصال، رقم الحدیث:1861' دارالکتاب العربی بیروت' صحیح بخاری: 1863، 1864، 6869، 6814۔ صحیح مسلم: کتاب الصیام، باب النھی عن الوصال فی الصوم، رقم الحدیث: 1102۔ 1103، 1104، 1105۔ سنن ابی داؤد: کتاب الصوم، باب فی الوصال، رقم الحدیث:2360' دارالسلام ریاض۔ موطا امام مالک: 668۔ سنن نسائی الکبریٰ: 3263۔ صحیح ابن حبان:3575۔ سنن بیہقی:8157، مصنف ابن ابی شیبہ: 9587' مصنف عبدالرزاق: 7755۔ مسند احمد بن حنبل: 5795' مسند دارمی: 1703' مسند ابویعلیٰ: 3282)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صوم وصال (یعنی بغیر سحری و افطاری کے مسلسل روزے) رکھنے سے منع فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ اجمعین نے عرض کیا کہ آپ ﷺ تو وصال کے روزے رکھتے ہیں؟ فرمایا: میں ہرگز تمہاری مثل نہیں ہوں۔ مجھے تو کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔"

ایک روایت میں ہے تم میں کون میری مثل ہے؟ بے شک میں رات اپنے رب عزوجل کے پاس گزارتا ہوں پس وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ میرے صحابہ میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔

اور بے شک بے مثلیت کا یہ تصور قرآن نے دیا ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا". (النور:63)

ترجمہ: ''تم اپنے درمیان رسول کی دعا کو اس طرح مت سمجھو جس طرح آپس میں ایک دوسرے کی دعا کو سمجھتے ہو۔''

معلوم ہوا کہ جب ہماری دعائیں بھی حضور اقدس ﷺ کی دعا کے ساتھ برابری اور مثلیت نہیں رکھتیں تو ہماری ذات العیاذ باللہ حضور اقدس ﷺ کی مثل کس طرح ہوسکتی ہے؟ ایک اور مقام پر اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ'' (الاحزاب:32)

ترجمہ: ''اے میرے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی مثل نہیں ہو۔''

معلوم ہوا کہ جب حضور اقدس ﷺ کے ساتھ نسبت و تعلق اور شرف زوجیت کی وجہ سے ازواج مطہرات بے مثل و بے مثال ہوگئیں تو محبوب کریم ﷺ کی اپنی ذات بے مثل و بے مثال کیوں کر نہ ہوگی۔ مذکورہ حدیث میں حضور ﷺ نے اپنی تین شانوں کی یکتائیت اور بے مثلیت کو بیان فرمایا۔

۱۔ شان بصارت

جس کو ان الفاظ سے بیان فرمایا: ''انی اری مالا ترون'' کہ بے شک میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔

۲۔ شان سماعت

جس کو ان الفاظ سے بیان فرمایا: ''واسمع ما لا تسمعون'' اور میں وہ

سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔

۳۔شان علم ومعرفت

جس کو ان الفاظ سے بیان فرمایا کہ: "واللہ لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا و لبکیتم کثیرا" کہ خدا عزوجل کی قسم! اگر تم وہ جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم تھوڑا ہنسو اور زیادہ روؤ۔

غور فرمائیں! کہ اگر حضور اقدس ﷺ بھی عام انسانوں کی طرح فقط قریب کی اور محسوس اشیاء کو دیکھتے یا فقط قریب کی آواز کو سماعت فرماتے یا حضور اقدس ﷺ کا علم و معرفت فقط علم شہادت تک محدود ہوتا تو حضور اقدس ﷺ کی اس حدیث کے مطابق صفت سماعت و بصارت اور صفت علم و معرفت میں یکتائیت' بے مثلیت اور انفرادیت کیسے ثابت ہوگی؟ اور بے مثلیت تب ثابت ہوگی جب یہ عقیدہ رکھا جائے کہ عام لوگ تو فقط قریب کی اور محسوس چیز کو دیکھتے ہیں لیکن مصطفیٰ جان رحمت ﷺ باذن اللہ جس طرح قریب کی چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں اس طرح باذن اللہ دور کی چیز کا بھی مشاہدہ فرماتے ہیں۔ عام لوگ فقط قریب کی آواز کو سن پاتے ہیں لیکن حضور ﷺ باذن اللہ عزوجل جس طرح قریب کی آواز کو بآسانی سماعت فرماتے ہیں اسی طرح دور کی آواز کو بآسانی سماعت فرماتے ہیں۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے اس دعویٰ "اسمع ما لا تسمعون" پر دلیل ارشاد فرمائی۔ اگرچہ حضور اقدس ﷺ کا ہر فرمان' واجب الاذعان' واجب القبول اور واجب التصدیق ہے خواہ حضور اقدس ﷺ اپنے اس دعویٰ پر دلیل ارشاد فرمائیں یا نہ فرمائیں۔ حضور ﷺ کا فرمان سچا ہے لیکن ممکن تھا کہ کوئی آپ کے ان کمالات میں اپنے قلبی بغض و عناد کی وجہ سے تاویل و تنقیص کر دیتا۔ اس لیے حضور ﷺ نے اپنے دعویٰ پر بطور دلیل فرمایا:

"اطت السماء و حق لها ان تئط"

ترجمہ: ''آسمانوں سے چرچرانے کی آواز آئی ہے اور حق بھی یہ ہے کہ وہ چرچرائے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ اجمعین میں سے کسی نے اس آواز کو نہیں سنا لیکن سرکار اقدس ﷺ نے فرش زمین پر تشریف فرما ہو کر تمام آسمانوں کے چرچرانے کی آواز کو سماعت فرما لیا۔ حالانکہ زمین سے آسمان تک سینکڑوں سال کی مسافت ہے۔ تو جو محبوب ﷺ زمین پر تشریف فرما ہو کر سینکڑوں سال دور کی آواز کو سماعت فرماتے ہیں وہ چند ہزار میل دور مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہو کر اپنے امتی کا صلوٰۃ وسلام بھی سماعت کر سکتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

واللہ وہ سن لیں گے فریاد کو پہنچیں گے
اتنا بھی تو ہو کوئی جو آہ کرے دل سے

دلیل نمبر 31

عذاب قبر کو سماعت فرمانا

عن ابی ایوب رضی اللّٰہ عنہ قال: ''خرج النبی ﷺ و قد وجبت الشمس فسمع صوتا' فقال یهود تعذب فی قبورها''

(صحیح بخاری: کتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر، رقم الحدیث: 1375' صحیح مسلم: 28-29' سنن نسائی: 2059' مسند ابو داؤد الطیالسی: 588' مصنف ابن ابی شیبہ: جلد 3' ص 375' صحیح ابن حبان: 3124' المعجم الکبیر: 3856' مسند احمد: 23539)

ترجمہ: ''حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے۔ اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا۔ پس

آپ نے آواز سنی تو فرمایا: یہود کو ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔"

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اے ابو ایوب! کیا تم وہ آواز سن رہے ہو جو میں سن رہا ہوں؟ میں نے عرض کیا: اللّٰه ذوالمجدو العلیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کو ہی زیادہ علم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں یہودیوں کی آوازیں سن رہا ہوں جن کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جا رہا ہے۔

(المعجم الکبیر: 3857، داراحیاء التراث' دارالعربی بیروت)

اس حدیث میں نبی مکرم ﷺ کی غیر معمولی قوت سماعت پر دلیل ہے اس لیے کہ عام لوگ قبر کے عذاب کو نہیں سن پاتے لیکن حضور ﷺ نے قبر کے عذاب کو سماعت فرمایا۔

دلیل نمبر 32، 33، 34

جنت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قدموں کی آہٹ کو سننا

عن ابی هریرة رضی الله عنه ان النبی ﷺ قال: لبلال عند صلاة الفجر. یا بلال حدثنی بارجی عمل عملته فی الاسلام' فانی سمعت دف نعلیک بین یدی فی الجنة. قال ما عملت عملا ارجی عندی انی لم اتطهر طهورا فی ساعة لیل او نهار' الا صلیت بذلک الطهور ما کتب لی ان اصلی

(صحیح بخاری: کتاب التہجد، باب فضل الطہور باللیل والنہار، رقم الحدیث: 1149' دارالکتاب العربی بیروت' صحیح مسلم: کتاب فضائل الصحابہ، باب من فضائل بلال، رقم الحدیث:

6324، السنن الکبریٰ للنسائی: رقم الحدیث:8236، صحیح ابن خزیمہ: 1208، صحیح ابن حبان: 7085، شرح السنۃ:1011، مسند احمد:8403، مسند ابویعلیٰ: 6104، جامع المسانید لابن جوزی: 4366)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی مکرم ﷺ نے صبح کی نماز کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے اسلام میں جو عمل کیے ہیں ان میں تم کو کس عمل پر اجر کی زیادہ توقع ہے؟ کیوں کہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے جوتیوں سے چلنے کی آہٹ سنی ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے ایسا کوئی عمل نہیں کیا جس پر مجھے زیادہ اجر ملنے کی توقع ہو۔ بے شک میں جب بھی دن یا رات کے کسی وقت میں وضو کرتا ہوں تو اس وضو سے اتنی نماز پڑھتا ہوں جو میرے لیے مقدر کی گئی ہے۔''

اس سے پہلے کی حدیث میں فرش زمین پر بیٹھ کر آسمانوں کی آواز سننے کی صراحت تھی اور اس حدیث میں تصریح ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے جنت جو کہ چھٹے آسمان میں ہے اور زمین سے تقریباً 5000 برس دور اس کی ابتداء ہے وہاں سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قدموں کی آہٹ کو سماعت فرمالیا۔ معلوم ہوا کہ یہ آسمان اپنی سختی و صلابت اور دوری و بعد کے باوجود بھی سماعت مصطفیٰ کریم ﷺ میں رکاوٹ اور حجاب نہیں بنتے اور حضور زمین پر ہوں تو آسمان کی آواز کو آسانی سے سماعت فرماتے ہیں اور آسمان پر ہوں تو زمین کی آواز کو آسانی سے سماعت فرماتے ہیں۔ والحمد للہ علیٰ ذالک.

دور و نزدیک سے سننے والے وہ کان
کان لعل کرامت پہ لاکھوں سلام

اسی طرح حضور اقدس ﷺ نے جنت میں حضرت حارثہ بن نعمان کی

قرأت کو سماعت فرمایا۔

”دخلت الجنة فسمعت فیها قراء ة فقلت من هذا؟
قالوا حارثة بن نعمان“

(مسند احمد، مسند عائشہ: جلد10' ص22، رقم الحدیث:24808' سنن نسائی کبریٰ: جلد5، ص65' رقم الحدیث:8233' المستدرک: رقم الحدیث:4929، و قال صحیح علی شرط الشیخین' حلیۃ الاولیاء: جلد1' ص365' مسند الحمیدی: جلد1، ص136' رقم الحدیث:285' مسند ابویعلیٰ: جلد9' ص399' رقم الحدیث:4425' مجمع الزوائد: جلد9' ص313، رجال صحیح)

ترجمہ: ”میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے اس میں قرآن کی قرأت سنی' میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کی: حارثہ بن نعمان (رضی اللہ عنہ)“۔

نیز حضرت نعیم بن عبداللہ نحام کی کھانسی کو بھی جنت میں سماعت فرمایا۔ اور کیوں نہ ہو کہ جب حضور اقدس ﷺ فرش زمین پر کھڑے ہو کر اپنا دست پاک جنت تک پہنچا سکتے ہیں تو جنت میں ہو کر زمین کی آواز کو کیوں نہیں سماعت فرما سکتے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال خسفت الشمس علیٰ عهد رسول اللّٰہ ﷺ فصلیٰ قالوا یا رسول اللّٰہ رایناک تناول شیئا. ثم رایناک تکعکعت؟ قال انی رایت الجنة فتناولت منها عنقودا ولو اخذته لا کلتم منه فابقیت الدنیا“

(صحیح بخاری: کتاب الاذان، باب رفع البصر الی الامام فی الصلوٰۃ: 748 دارالکتاب العربی بیروت)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد زریں میں سورج کو گرہن لگا تو حضور اقدس ﷺ نے نماز پڑھی صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ کسی چیز کو پکڑ رہے ہیں تو پھر دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹ رہے ہیں؟ فرمایا کہ میں نے جنت کو دیکھا پس میں نے اس میں سے انگوروں کا ایک خوشہ پکڑا اور اگر میں اس کو لیتا تو تم اس وقت تک کھاتے رہتے جب تک دنیا رہتی۔''

دلیل نمبر 35

جہنم میں گرنے والے پتھر کی آواز کا سننا

''عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنه قال کنا مع رسول اللّٰہ ﷺ اذ سمع وجبة فقال النبی ﷺ اتدرون ما ھذا؟ قال قلنا اللّٰہ و رسوله اعلم. قال ھذا حجر رمی به فی النار منذ سبعین خریفا فھو یھوی فی النار الان حتی انتھی الی قعرھا''

(صحیح مسلم: کتاب الجنۃ، باب فی شدۃ حر نار جھنم، رقم الحدیث:7167' دار الکتاب العربی بیروت'
مسند احمد بن حنبل: مسند ابی ہریرۃ: جلد4' ص427' رقم الحدیث:9074، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ حضور اقدس ﷺ نے کسی چیز کے گرنے کی آواز سنی' تاجدار کائنات ﷺ نے فرمایا کہ جانتے ہو کہ یہ آواز کیا ہے؟ ہم نے عرض کی: اللہ عزوجل اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: یہ وہ پتھر ہے جس کو ستر سال پہلے جہنم میں پھینکا گیا۔ پس وہ اب تک جہنم میں گرتا رہا حتیٰ کہ اس

کی گہرائی تک پہنچ گیا۔"

اس حدیث پاک سے کئی امور معلوم ہوئے۔

1- حضور اقدس ﷺ نے فرش زمین پر تشریف فرما ہو کر جہنم کی تہہ میں گرنے والے پتھر کی آواز کو سماعت کیا، اور جہنم کی ابتداء تحت الثریٰ سے ہے۔ اور سطح زمین سے جہنم کی تہہ تک ہزاروں' لاکھوں سال کی مسافت ہے۔ غلیظ اور سخت حجابات و موانع ہیں۔ لیکن یہ سماعت اقدس کا اعجاز ہے کہ ہزار ہا رکاوٹوں' مزاحمتوں کے باوجود اس آواز کو سماعت فرمایا۔

2- نیز یہ حدیث حضور ﷺ کے باذن اللہ عزوجل مطلع علی الغیب ہونے پر بڑی واضح دلیل ہے کیوں کہ یہ بات کہ پتھر گرا دیا گیا۔ کب گرایا گیا؟ کب اور کتنے سالوں میں جہنم کی تہہ میں پہنچا اور اب پہنچا یہ سب امور غیب سے متعلق ہیں۔

دلیل نمبر 36

آسمان کے دروازہ کی آواز سماعت فرمانا

"عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال بينما جبريل قاعد عند النبی ﷺ سمع نقيضا من فوقه' فرفع راسه فقال: هذا باب من السمآء فتح اليوم' لم يفتح قط الا اليوم' فنزل منه ملک' فقال هذا ملک نزل الی الارض' لم ينزل قط الا اليوم' فسلم و قال ابشر بنورين اوتيتهما لم يوتهما نبی قبلک. فاتحة الکتاب' و خواتيم سورة البقرة. لن تقراء بحرف منهما الا اعطيته"

(صحیح مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل الفاتحۃ، رقم الحدیث:1877' دارالکتاب العربی

بیروت)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل امین علیہ والسلام' نبی مکرم ﷺ کی بارگاہ عالی میں حاضر تھے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اوپر سے ایک آواز سنی پس آپ نے اپنے سر انور کو بلند فرمایا، اور فرمایا: یہ آسمان کا دروازہ ہے جسے آج کھولا گیا ہے اور آج سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا۔ پس اس سے ایک فرشتہ اترا۔ پس فرمایا کہ یہ فرشتہ زمین کی طرف اترا ہے اور آج سے پہلے کبھی نہیں اترا۔ پس اس نے خدمت عالی میں سلام نیاز پیش کیا، اور عرض کی: بشارت قبول فرمائیں دو نوروں کی جو آپ کو عطا فرمائے گئے' اور آپ سے پہلے کسی نبی کو بھی نہیں دیئے گئے۔ ''فاتحۃ الکتاب اور سورۃ البقرۃ'' کا آخر۔ آپ ان میں سے کوئی حرف نہیں پڑھیں گے مگر وہ آپ کو عطا کیا جائے گا۔''

اس حدیث میں ''سمع' رفع اور قال'' کی ضمائر کے مرجع میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء کا رجحان اس طرف ہے کہ ان ضمائر کا مرجع جبرائیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور بعض علماء کا نظریہ یہ ہے کہ یہ ضمائر حضور اقدس ﷺ کی طرف راجع ہیں۔ ثانی الذکر علماء کی قوی دلیل یہ ہے کہ ضمائر کو قریب کے مرجع کی طرف لوٹانا اولیٰ و انسب ہے' اور قریب کا مرجع حضور اقدس ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ لیکن مرجع اگر حضور اقدس ﷺ کی ذات اقدس کو مانیں تو پھر تو بلاواسطہ حضور اقدس ﷺ کی قوت سماعت ثابت ہوتی ہے اور اگر جبرائیل امین علیہ السلام کی طرف ان ضمائر کو لوٹائیں تو پھر بھی ہمیں مضر نہیں اس لیے کہ سماع عن البعید کا وقوع تو پھر بھی ثابت ہوا بلکہ یہ بالواسطہ حضور اقدس ﷺ کی بھی وسعت سماعت پر دلیل قرار پائی۔ اس لیے کہ پیشتر عرض کیا تھا کہ جبرائیل امین علیہ السلام اپنی علو مرتبت'

وجاہت اور عظمت کے باوجود حضور اقدس ﷺ کے امتی اور آپ کے وزیر اور مشیر ہیں۔ چنانچہ حدیث صحیح میں ہے:

عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول ﷺ: "ما من نبی الا ولہ وزیران من اھل السماء و وزیران من اھل الارض فاما وزیرای من اھل السماء فجبریل و میکائیل' واما وزیرای من اھل الارض فابوبکر و عمر"

(جامع ترمذی: کتاب المناقب، باب مناقب ابی بکر وعمر، رقم الحدیث:3680)

ترجمہ: "حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کے دو وزیر آسمانوں پر ہیں اور دو وزیر زمین والوں میں سے ہیں۔ پس آسمان والوں میں میرے دو وزیر جبرائیل اور میکائیل (علیہما السلام) ہیں اور زمین والوں میں میرے دو وزیر ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) ہیں۔"

نیز حضور اقدس ﷺ رحمۃ للعالمین' مصدر کمالات و محاسن' منبع فیوضات اور مخلوق کے جملہ کمالات و محاسن میں واسطہ عظمیٰ اور برزخ کبریٰ ہیں۔ اور یقیناً جبرائیل امین علیہ السلام کی یہ شان بھی حضور اقدس ﷺ کے توسل اور توسط سے ہے۔ تو جب آپ کے امتی اور وزیر کی قوت سماعت کا یہ عالم ہے تو آپ ﷺ کی قوت سماعت کا عالم کیا ہوگا۔ فافھم و تدبر.

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کو باذن اللہ تعالیٰ یہ بھی علم ہے کہ یہ آسمان کا دروازہ آج کھلا ہے اور آج سے پہلے کبھی نہیں کھلا اور یہ فرشتہ آج زمین پر نازل ہوا ہے اور آج سے پہلے کبھی نازل نہیں ہوا اور یہ غیوب پر مطلع ہونے پر واضح دلیل ہے۔

دلیل نمبر 37

وسعت مشاہدہ سے سماع عن البعید پر استدلال

اللہ رب العزت نے اپنے حبیب کریم ﷺ کو زمین و آسمان کے ملکوت اور موجودات ومخلوقات کا مشاہدہ کرایا' مشرق ومغرب اور روئے زمین کو آپ کے لیے سمیٹ دیا، اور آپ اپنے نورنبوت سے تحت وفوق' برو بحر اور جنت و دوزخ کا اس طرح مشاہدہ فرما رہے ہیں جیسے کہ ہاتھ کی ہتھیلی نگاہ کے سامنے ہوتو دیکھنے میں دقت اور رکاوٹ نہیں ہوتی، اور یہ مضمون اس قدر کثیر آیات واحادیث واقاویل پر مشتمل ہے جس کا احاطہ واحصا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ چنانچہ قاضی عیاض مالکی نے فرمایا:

''بحر لا یدرک قعرہ.''

(الشفاء ص208 دار ابن حزم بیروت)

ترجمہ: ''یہ ایک ایسا سمندر ہے جس کی گہرائی کا ادراک نہیں کیا جا سکتا۔''

لیکن چند احادیث اس موضوع پر ملاحظہ فرمائیں۔

-1 حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے صلاۃ خسوف پڑھائی اور اللہ رب العزت کی حمد وثناء بیان کرنے کے بعد فرمایا:

''ما من شئی لم اکن اریته الا وقد رایته فی مقامی حتی الجنة والنار''

(صحیح بخاری: کتاب العلم، باب من اجاب الفتیا باشارۃ الیدو الراس، رقم الحدیث:86، دارالکتاب العربی بیروت' صحیح بخاری: رقم الحدیث:1061' 1235' 1373' 2519' 2520' 7287' 184' 922' 1054' صحیح مسلم: کتاب الکسوف باب ما عرض علی النبی ﷺ فی صلوٰۃ

الکسوف من امرالجنۃ والنار، رقم الحدیث:2103' دارالکتاب العربی بیروت' مصنف ابن ابی شیبہ: جلد2' ص468' المعجم الکبیر: رقم الحدیث:316' سنن بیہقی: جلد3' ص338' شرح السنۃ: رقم الحدیث:1138' مسند ابوعوانہ: جلد2' ص370' صحیح ابن حبان: 3114' السنن الکبریٰ للنسائی: 2189' مسند احمد: 36925)

ترجمہ: ''جو چیز بھی میں نے نہیں دیکھی تھی ہر اس چیز کو میں نے اپنے اس مقام پر کھڑے دیکھ لیا حتیٰ کہ جنت اور دوزخ بھی۔''

2- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''علمت ما فی السموات و ما فی الارض''

ترجمہ: ''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے میں اسے جانتا ہوں۔''

''و فی روایۃ فعلمت ما بین المشرق والمغرب.''

ترجمہ: ''اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا جو کچھ مشرق و مغرب کے مابین ہے، میں اسے جانتا ہوں۔''

''و فی روایۃ فتجلیٰ لی کل شیء و عرفت.''

ترجمہ: ''اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا: ہر چیز مجھ پر روشن ہو گئی اور میں نے اسے پہچان لیا۔''

(جامع ترمذی: کتاب تفسیر القرآن، باب و من سورۃ ص۔ رقم الحدیث: 3234' 3235' 3233، دار المعرفہ بیروت)

''قال ابو عیسیٰ هذا حدیث حسن صحیح سالت محمد بن اسماعیل عن هذا الحدیث' فقال هذا حدیث حسن صحیح.''

ترجمہ: امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

-3 عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ "ان اللہ زوی لی الارض فرایت مشارقھا و مغاربھا".

(صحیح مسلم: کتاب الفتن، باب ھلاک ھذہ الامۃ بعضھم بعض، رقم الحدیث:7187، 7188، دارالکتاب العربی بیروت۔ سنن ابی داؤد: کتاب الفتن' باب ذکر الفتن و دلائلھا، رقم الحدیث:4252، دارالسلام ریاض۔ سنن الترمذی: کتاب الفتن، باب ماجآء فی سوال النبی ﷺ ثلاثا فی امتہ، رقم الحدیث:2176، دارالمعرفہ بیروت۔ سنن ابن ماجہ: کتاب الفتن، باب ما یکون من الفتن، رقم الحدیث:3952، دارالمعرفہ بیروت۔ سنن ابن ماجہ: کتاب الفتن، باب ما یکون من الفتن، رقم الحدیث:3952، دارالسلام، ریاض)

ترجمہ: "حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا ہے۔ پس میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔"

-4 علامہ نورالدین ہیثمی' امام طبرانی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"عن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ "ان اللہ تعالیٰ رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا والی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیامۃ کانما انظر الی کفی ھذہ".

(مجمع الزوائد: جلد8' ص287۔ حلیۃ الاولیاء: جلد6' ص101۔ کنز العمال: جلد12' ص53-54)

ترجمہ: "حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے دنیا کو میرے لیے اٹھا لیا۔ پس میں دنیا کی طرف اور جو کچھ قیامت تک دنیا میں ہونے والا ہے اس کی طرف دیکھ رہا ہوں جس طرح میں اپنی ان دو ہتھیلیوں کی طرف دیکھ رہا ہوں۔“

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ زمین و آسمان اور مشرق و مغرب کی مخلوقات و موجودات اور تا قیامت ہونے والے واقعات و احوال نگاہ مصطفیٰ کریم ﷺ کے سامنے اس طرح ہیں جس طرح ہاتھ کی ہتھیلی ہو، اور اس کی وجہ یہ ارشاد ہوئی کہ اللہ رب العزت نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا اور تمام دنیا کے حجابات اور پردے میری آنکھوں سے اٹھا دیئے سو جب مشرق و مغرب حضور اقدس ﷺ کے لیے دور نہیں بلکہ قریب ہیں تو مشرق و مغرب سے آواز کا پہنچنا کیوں کر حضور اقدس ﷺ کے لیے بعید و ناممکن ہے۔

دلیل نمبر 38

عمرو بن سالم خزاعی کی فریاد کا سننا

”عن ام المومنین میمونة انها قالت بات عندی رسول اللہ ﷺ لیلة فقام لیتوضا للصلوٰة فسمعته ﷺ یقول فی متوضاه لبیک لبیک ثلاثا نصرت نصرت نصرت ثلاثا فلما خرج قلت یا رسول اللہ ﷺ سمعتک تقول فی متوضک لبیک لبیک ثلاثا نصرت نصرت نصرت ثلاثا کانک تکلم انسانا فهل کان معک احد فقال ﷺ هذا راجز بنی کعب یستصرخنی و یزعم ان قریشا اعانت علیهم بنی بکر.“

(المعجم الصغیر للطبرانی الاصابہ: جلد2 ص536' زرقانی علی المواہب: جلد2' ص290'

مدارج النبوۃ: جلد2' ص282)

ترجمہ: ''ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سید عالم ﷺ ایک رات میرے پاس تشریف فرما تھے آپ حسب معمول نماز تہجد کے لیے اٹھے اور وضو کرنے کی جگہ پر تشریف لے گئے۔ تو میں نے سنا کہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا کہ میں تیرے پاس پہنچا اور تو مدد کیا گیا ہے۔ جب حضور سید عالم ﷺ وضو کر کے باہر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے سنا ہے کہ آپ نے تین مرتبہ لبیک اور تین مرتبہ نصرت فرمایا ہے گویا کہ آپ کسی انسان سے کلام فرما رہے ہیں۔ کیا آپ کے پاس کوئی تھا؟ تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: یہ بنی کعب کا راجز مجھ سے فریاد کر رہا تھا اور کہتا تھا کہ قریش نے بنی بکر کے خلاف ان کی مدد کی ہے۔''

(نوٹ: وہ راجز مکہ میں تھا اور حضور اقدس ﷺ مدینہ میں تھے۔ واقعہ یہ تھا کہ صلح حدیبیہ میں بنی بکر قریش کی طرف سے ذمہ دار تھے اور خزاعہ حضور اقدس ﷺ کی طرف سے ذمہ دار تھے اور یہ ذمہ داری اس عہد پر تھی کہ آئندہ سال میں باہمی جنگ نہ ہوگی مگر قریش نے عہد او رشرائط کو توڑ دیا اور بنی بکر وغیرہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس وقت حضرت عمرو بن سالم راجز نے مکہ مکرمہ سے فریاد کی اور حضور اکرم ﷺ سے مدد مانگی' جس کے جواب میں آپ نے تین مرتبہ لبیک اور تین مرتبہ نصرت فرما کر اس کی مدد فرمائی چنانچہ بعدازاں حضور ﷺ نے قریش پر چڑھائی کی اور مکہ فتح ہو گیا۔ گویا ظاہری اور باطنی امداد کا ظہور ہوا۔)

اس حدیث کی شرح میں علامہ زرقانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

”ففی اخبارہ قبل قدومہ علم من اعلام النبوۃ باھر فاما انہ اعلم بذالک بالوحی و علم یا یصورہ راجز فی نفسہ او یکلم بہ اصحابہ فاجابہ بذلک اوانہ کان یر تجز فی سفرہ و اسمعہ اللّٰہ کلامہ قبل قدومہ بثلاث و لا بعد فی ذلک فقد روی ابونعیم مرفوعا انی لا سمع اطیط السماء و ما تلام ان تئط۔“

(زرقانی علی المواہب: جلد2' ص290)

ترجمہ: ”نبی کریم ﷺ کے عمرو بن سالم کے پہنچنے سے قبل اس کے متعلق خبر دینے میں نبوت کے معجزات میں سے واضح معجزہ اور امتیازی علامت ہے۔ پس یا تو آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے اس کی اطلاع دے دی گئی اور آپ نے اس کو جان لیا جو رجز خوان اپنے دل میں فریاد کے لیے مضمون تیار کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا یا اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کے متعلق کلام کر رہا تھا تو آپ ﷺ نے اس کے استغاثہ اور فریاد کا جواب دیا یا وہ دوران سفر یہ رجزیہ اشعار پڑھتا آ رہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کا کلام اس کے پہنچنے سے تین دن پہلے سنوا دیا اور اس میں کوئی استحالہ بُعد اور حیرانگی کی بات نہیں کیوں کہ ابونعیم نے مرفوع روایت ذکر کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک میں البتہ آسمان کی چیخ اور چرچراہٹ سنتا ہوں اور اس کے چیخنے اور ایسی آواز نکالنے پر اس کی ملامت نہیں کی جا سکتی۔ (علامہ زرقانی کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ زمین پر تشریف فرما ہو کر ہزاروں سال دور آسمانوں کی آواز کو سماعت فرماتے ہیں تو مدینہ میں تشریف فرما ہو کر

مکہ میں فریاد کرنے والے امتی کی آواز کو کیوں کر سماعت نہیں فرما سکتے۔ نیز علامہ زرقانی اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے حضرت عمرو بن سالم کو صحابی قرار دیا ہے اور وہ صحابی ہو کر مشکل کے وقت حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں فریاد اور استغاثہ فرما رہے تھے۔ تو معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ سے استغاثہ فرمانا بالکل جائز امر ہے۔ وگرنہ سرکار اقدس ﷺ بجائے مدد فرمانے کے عتاب فرماتے۔''

دلیل نمبر 39

امت کے سلام کا جواب دینے سے استدلال

''عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ: ما من احد یسلم علی الارد اللّٰہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام''.

(سنن ابوداؤد: 2041' مسند احمد: جلد2' ص527' سنن کبریٰ للبیہقی: جلد5' ص245' مجمع الزوائد: جلد10' ص162' مشکوٰۃ: 925' الترغیب والترھیب: جلد2' ص499' کنز العمال: 22000)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص بھی مجھ پر سلام عرض کرتا ہے اللہ عزوجل میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔''

حدیث پاک میں ''احد'' نکرہ ہے اور نفی کے تحت داخل ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ نکرہ جب نفی کے تحت داخل ہو تو اس کی تعیم میں مزید تاکید اور پختگی آ جاتی ہے۔ تو گویا حضور سید عالم ﷺ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ میرا امتی خواہ وہ

مشرق و مغرب، شمال و جنوب، زمین و آسمان اور عرب و عجم جہاں سے میری بارگاہ میں خواہ قبل از وصال یا بعد از وصال سلام عرض کرتا ہے تو میں اس کا جواب اسے عطا فرماتا ہوں اور یہ جواب کا لوٹانا تب ہوگا جب حضور اقدس ﷺ اپنے اس امتی کے سلام کو سماعت فرمائیں۔ چنانچہ محققین امت کی تصریحات کے مطابق "رد علی روحی" کے مطالب و معانی میں سے ایک معنی و مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العزت حضور اقدس ﷺ کو غیر معمولی قوت سماعت عطا فرماتا ہے اور حضور اقدس ﷺ اپنے امتی کا سلام سماعت فرما کر اسے جواب مرحمت فرماتے ہیں۔ چنانچہ علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قد تصمنت الاحادیث المتقدمة ان روح النبی ﷺ ترد علیه وانه یسمع و یرد السلام." (شفاء السقام ص133)

ترجمہ: "احادیث مذکورہ اس بات کو متضمن ہیں کہ حضور سرور عالم ﷺ کی روح مبارک آپ پر لوٹا دی گئی ہے اور بے شک آپ سلام کو سنتے ہیں اور اس کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔"

امام اجل امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں:

"رد روح" سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی آپ ﷺ کو سلام کرتا ہے تو اللہ عزوجل آپ کو غیر معمولی سماعت عطا فرماتا ہے اور کوئی شخص کہیں سے بھی سلام کرے آپ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔" (انباء الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء: ص13)

بلکہ اس معنی کی تائید و توثیق اس بات سے بھی ہے کہ دور صحابہ سے لے کر آج تک امت نماز میں ندا اور خطاب (یعنی السلام علیک ایھا النبی) سے سلام عرض کرتی رہتی ہے، اور یہ ندا اور خطاب جب ہی ممکن ہے جب حضور سید عالم ﷺ ہمارے سلام کو سماعت فرمائیں۔ چنانچہ چند علماء کی تصریحات دربارہ سلام و

خطاب و ندا ملاحظہ فرمائیں:

1- امام یوسف بن اسماعیل نبہانی فرماتے ہیں:

''و یؤید سماع النبی ﷺ سلامه من یسلم علیه من قریب و بعید مشروعیة السلام علیه فی التشهد فی الصلٰوة بصیغة الخطاب اذ یقول المصلی السلام علیک ایهاالنبی و رحمة اللّٰه و برکاته فلو لم یکن حیا یسمع جمیع المصلین اینما کانوا با سماع اللّٰه تعالیٰ له ذلک لما کان لهذا الخطاب معنی''

ترجمہ: ''نماز کے دوران تشہد میں حضور ﷺ پر صیغہ خطاب کے ساتھ سلام کا مشروع ہونا حضور ﷺ پر دور و نزدیک سے سلام پڑھنے والوں کے سلام کو سننے کی تائید کرتا ہے کیوں کہ نمازی کہتا ہے: اے نبی ﷺ! آپ پر سلام ہو اور اللہ (عزوجل) کی رحمتیں اور برکات ہوں۔ پس اگر حضور سرور عالم ﷺ اس طرح زندہ نہ ہوں کہ تمام نمازیوں کے سلام کو اللہ تعالیٰ کے سنانے سے بھی نہ سن سکیں تو اس خطاب کا کیا معنیٰ؟ (مزید فرماتے ہیں) کہ جب تو کسی انسان کو دیکھتا ہے کہ وہ کسی مردہ یا زندہ کو پکار رہا ہے جب کہ مخاطب کہیں دور دراز رہتا ہے تو یہی گمان کرے گا کہ اس کی عقل ماری گئی ہے۔ پس ہمارے لیے نبی اکرم ﷺ کو نماز میں اس خطاب کے ساتھ مشروع نہیں کیا گیا مگر اس حال میں کہ آپ ﷺ اسے اپنی ظاہری حیات اور اس کے بعد برزخی حیات میں سنتے ہوں یہاں تک کہ بعض اولیاء نے کرامۃً نبی اکرم ﷺ کا ان کے قول ''السلام علیک ایها النبی و رحمته اللّٰه و برکاته'' کے جواب میں

جواب سنا اور یہ چیز محال نہیں کیوں کہ وہ ذات جس نے آپ ﷺ کو غیب پر مطلع کیا اور ہر اس آدمی کا کلام سننے کی طاقت عطا فرمائی کہ جو دور و نزدیک سے آپ کو مخاطب ہوتا ہے اور وہ اللہ عزوجل کی ذات ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس بات میں کوئی فرق نہیں کہ یہ بات (کلام کا سننا) آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں ہو یا وصال کے بعد۔ تحقیق یہ بات درست ہے کہ آپ ﷺ اپنی قبر انور میں زندہ جاوید ہیں۔'' (شواہد الحق: ص۴۲)

2۔ امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''واحضر فی قلبک النبی ﷺ و شخصه الکریم و قل السلام علیک ایها النبی و رحمة اللّٰه و برکاته و لیصدق املک فی انه یبلغه سلامک و یرد علیک بما هو اوفیٰ منه''.

(احیاء العلوم: جلد 1، کتاب اسرار الصلوٰۃ، ص237، موسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت، رفاۃ شرح مشکاۃ ملا علی القاری الحنفی: جلد 1، ص557)

ترجمہ: التحیات پڑھتے وقت جب تو ''السلام علیک ایها النبی'' تک پہنچے تو اپنے دل میں نبی پاک ﷺ اور آپ کی ذات بابرکات کو حاضر سمجھ اور پھر عرض کر: السلام علیک ایها النبی و رحمة اللّٰه و برکاته اور تجھے پکا یقین ہونا چاہیے کہ تیرا سلام نبی پاک ﷺ کی بارگاہ عالی میں پہنچ رہا ہے۔ اور آپ اس کا ایسا جواب دے رہے ہیں جو تیرے جواب کی بہ نسبت کامل ترین ہے۔''

شیخ الشیوخ، امام الصوفیہ، عارف باللہ، شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں:

"و یسلم علی النبی ﷺ و یمثله بین عینیه".

(عوارف المعارف: ج3' ص192)

ترجمہ: "اور نبی مکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں سلام عرض کرے اور آپ کی مثال کو اپنی آنکھوں کے درمیان موجود فرمائے۔"

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اس خطاب میں رمز لطیف سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"آں ﷺ ہمیشہ نصب العین مومناں و قرۃ العین عابداں است در جمیع احوال و اوقات خصوصاً در حالت عبادت..... کہ وجود نورانیت و انکشاف دریں محل بیشتر و قوی تر است۔ و بعضے از عرفا گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات و افراد ممکنات پس آں حضرت ﷺ در ذات مصلیان موجود و حاضر است پس مصلی را باید کہ ازیں معنیٰ آگاہ باشد و ازیں شہود غافل نبود تا بانوار قرب و اسرار معرفت متنور و فائز گردد"۔

(اشعۃ للمعات، جلد1' ص401' مدارج النبوۃ: جلد1، ص135)

(کچھ تغیر کے ساتھ نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے بھی اس عبارت کو نقل کیا) (ملاحظہ ہو: مسک الختام شرح بلوغ المرام جلد1' ص459' ص460)

ترجمہ: "حضور سید عالم ﷺ ہمیشہ مومنوں کے سامنے ہیں اور عابدوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔ ہر وقت اور ہر حالت میں خصوصاً عبادت کے وقت کیوں کہ نورانیت کا موجود ہونا اور انکشاف اس وقت بہت زیادہ اور بہت قوی ہوتا ہے۔"

اور بعض عرفاء نے فرمایا ہے کہ یہ خطاب (السلام علیک ایها النبی) بوجہ جاری ہونے حقیقت محمدیہ ﷺ کے ہے۔ جو موجودات کے ذرہ ذرہ میں اور

ممکنات کے ہر ہر فرد میں جاری و ساری ہے۔ تو حضور سید عالم ﷺ نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہوتے ہیں۔ پس نمازی کو چاہیے کہ اس معنیٰ سے آگاہ ہو اور اس حضور حاضری سے غافل نہ ہو۔ تاکہ قرب کے انوار اور معرفت کے رازوں سے روشن اور فیض یاب ہو سکے۔

امام بدر الملۃ والدین محمود عینی حنفی، حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی، امام قسطلانی، علامہ زرقانی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ عنہم اور مولوی عبدالحی لکھنوی، شبیر احمد عثمانی اور مولوی زکریا نے حدیث تشہد کے تحت لکھا:

"ویحتمل ان یقال علی طریق اھل العرفان ان المصلین لما استفتحوا باب الملکوت بالتحیات اذن لھم بالدخول فی حریم الحی الذی لا یموت فقرت اعینھم بالمناجات فنبھوا علیٰ ان ذلک بواسطۃ نبی رحمۃ و برکۃ متابعتہ فاذا التفتوا فاذا الحبیب فی حرم الحبیب حاضر فاقبلوعلیہ قائلین السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ".

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری: جلد6، ص111، فتح الباری شرح صحیح بخاری: جلد2، ص250، المواھب اللدنیہ: جلد2، ص230، زرقانی شرح مواھب: جلد7، ص329، زرقانی شرح موطا: جلد1، ص190، مدارج النبوۃ: جلد1، ص366، سعایہ: جلد2، ص227، فتح الملھم: جلد2، ص43، اوجز المسالک: جلد1، ص265)

"اہل عرفان کے طریقہ پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب نمازیوں نے التحیات کے ساتھ ملکوت کا دروازہ کھلوایا تو انہیں حی لا یموت کی بارگاہ میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی۔ ان کی آنکھیں فرحت مناجات سے ٹھنڈی ہوئیں تو انہیں اس بات پر تنبیہ کی گئی کہ

بارگاہ خداوندی میں جو انہیں یہ شرف باریابی حاصل ہوا ہے یہ سب نبی رحمت ﷺ کی برکت متابعت کے طفیل ہے۔ نمازیوں نے اس حقیقت سے باخبر ہو کر بارگاہ خداوندی میں جو نظر اٹھائی تو دیکھا کہ حبیب تعالیٰ کے حرم میں حبیب ﷺ حاضر ہیں۔ حضور ﷺ کو دیکھتے ہی السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللّٰہ و برکاتہ کہتے ہوئے حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے۔''

اسی معنیٰ کی تائید کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور علامہ نبہانی بہت پیاری تلقین کرتے ہیں:

''ذکر کن او را و درود بفرست بروے ﷺ و باش در حال ذکر گویا حاضر است پیش در حالت حیات و می بینی تو او را متادب با جلال و تعظیم و ہیبت و حیا بداں کہ وے ﷺ می بیند و می شنود کلام ترا زیرا کہ وے ﷺ متصف است بصفات الٰہیہ و یکے از صفات الٰہی عزوجل آں است کہ انا جلیس من ذکرنی''۔ (مدارج النبوۃ: جلد 2' ص 621)

ترجمہ: ''اے مخاطب! تو حضور اقدس ﷺ کا ذکر کر اور آپ پر درود پاک بھیج اور آپ کے ذکر (یعنی سلام وغیرہ) کے وقت یہ تصور باندھ کہ حضور حالت حیات سے تیرے سامنے موجود ہیں اور تو انہیں دیکھ رہا ہے، اور آپ کے ذکر کے وقت اجلال تعظیم اور ہیبت و حیا سے ادب کے ساتھ بیٹھنا اور اچھی طرح جان لے کہ نبی مکرم ﷺ تجھے دیکھتے ہیں اور تیرا کلام سنتے ہیں اس لیے کہ وہ اللہ عزوجل کی صفات سے متصف ہیں اور صفات الٰہیہ میں سے ایک صفت یہ ہے کہ اللہ عزوجل حدیث قدسی میں فرماتا ہے: 'انا جلیس من ذکرنی' کہ میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جو میرا ذکر کرتا ہے۔''

مولوی عبدالحی لکھنوی ایک اور مقام پر اس سلام کے متعلق فرماتے ہیں:

"السر فی خطاب التشهد ان الحقیقة المحمدیة کانها ساریة فی کل وجود و حاضرة فی باطن کل عبد و انکشاف هذه الحالة علی الوجه الاتم فی حالة الصلوٰة فحصل محل الخطاب" (السعایہ: جلد2، ص228)

ترجمہ: "خطاب تشہد یعنی التحیات میں السلام علیک ایها النبی کہنے کا راز یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ ہر وجود میں جاری و ساری اور بندہ کے باطن میں حاضر و موجود ہے۔ اس حالت کا پورا انکشاف بحالت نماز ہوتا ہے۔ لہٰذا محل خطاب حاصل ہوگیا۔"

دلیل نمبر 40، 41، 42

درود کا بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں پہنچنا

عن اوس بن اوس قال: قال رسول اللّٰه ﷺ "ان من افضل ایامکم یوم الجمعة، فیه خلق آدم و فیه قبض و منه النفخة و فیه الصعقة. فاکثروا علی من الصلاة فیه، فان صلاتکم معروضة علی قال: قالو یا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیک و سلم و کیف تعرض صلاتنا علیک و قدارمت؟ قال یقولون بلیت فقال ان اللّٰه حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء".

(سنن ابوداؤد: کتاب الصلوٰۃ، باب فضل یوم الجمعۃ، رقم الحدیث: 1047، دارالسلام ریاض، سنن ابن ماجہ: 1085، صحیح ابن حبان: رقم الحدیث: 910، المستدرک: جلد1، ص278، مسند احمد: جلد4، ص8)

ترجمہ: ”حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے دنوں میں سے سب سے افضل جمعہ کا دن ہے۔ اس میں حضرت آدم پیدا ہوئے' اسی دن میں ان کی روح قبض کی گئی' اسی دن میں صور پھونکا جائے گا' اسی دن بے ہوشی ہوگی' تم اس دن میں کثرت کے ساتھ مجھ پر درود پڑھو' کیوں کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ پر ہمارا درود کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ کا جسم بوسیدہ ہو چکا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے انبیاء علیہم السلام کے اجسام کھانے کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔“

ایک دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”و صلوا علی فان صلاتکم تبلغنی حیث کنتم“

(مسند احمد: جلد2' ص367' سنن ابوداؤد: کتاب المناسک، باب زیارۃ القبور، رقم الحدیث:2042)

ترجمہ: ”اور تم مجھ پر درود پڑھو۔ پس بے شک تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے۔ تم جہاں کہیں بھی ہو۔“

حدیث پاک سے یہ تو یقینی طور پر ثابت ہو گیا کہ حضور اقدس ﷺ کے وصال مبارک کے بعد بھی آپ کا امتی اور غلام جہاں سے بھی درود پڑھتا ہے وہ آپ تک پہنچتا ہے۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ یہ درود ملائکہ آپ کی بارگاہ میں پہنچاتے ہیں اور حضور اقدس ﷺ بنفس نفیس درود و سلام کو سماعت نہیں فرماتے انہوں نے اپنے مؤقف کی تائید و توثیق میں اس حدیث سے بھی استشہاد کیا:

”عن عبداللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه عنه عن النبی الکریم ﷺ ”ان للّٰه ملائکة سیاحین یبلغون عن امتی السلام

و ھذا اسناد صحیح."

(سنن نسائی: جلد3، ص43، مصنف عبدالرزاق: 3116، صحیح ابن حبان: 914، مسند دارمی: جلد2، ص317، مستدرک: جلد2، ص421، مسند احمد: جلد1، ص441)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل کے کچھ فرشتے سیر کرتے ہیں اور میرے امتی کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔"

لیکن آپ دونوں احادیث میں بنظر غائر دیکھیں کہیں ایک لفظ بھی حضور اقدس ﷺ کے بنفس نفیس درود و سلام کے سننے کی نفی میں نہیں۔ پہلی حدیث میں "بلوغ" جس طرح ملائکہ کے ذریعے ممکن ہے اس طرح آواز کی سماعت سے بھی ممکن ہے۔ اور "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" اور دوسری حدیث میں ملائکہ کے درود پہنچانے کا ذکر ہے۔ اور درود کے پہنچانے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ بنفس نفیس سماعت نہیں فرماتے۔ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ فرشتے بندوں کے اعمال اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں تو کیا العیاذ باللہ تعالیٰ یہاں بھی فرشتوں کے اعمال پہنچانے سے اللہ رب العزت کے سمیع و بصیر وعلیم ہونے کا انکار کیا جا سکتا ہے؟ نہیں تو جب فرشتے حضور اکرم ﷺ کے اکرام و اجلال کے پیش نظر آپ ﷺ کی بارگاہ میں امت کا درود پہنچاتے ہیں تو اس سے حضور اقدس ﷺ کی سماعت اقدس کی وسعت کا کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے؟ جبکہ حضور اقدس ﷺ نے خود واضح فرما دیا کہ میرے امتی کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث کے لفظ یہ ہیں:

"قیل لرسول اللہ ﷺ ارءیت صلوٰۃ المصلین علیک ممن غاب عنک و من یاتی بعدک ما حالھما عندک فقال اسمع صلوٰۃ اھل محبتی."

(دلائل الخیرات فضائل الصلوٰۃ: ص 281، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی گئی: یا رسول اللہ ﷺ خبر دیجیے ان درود بھیجنے والوں کے بارے میں جو درود بھیجتے ہیں آپ پر حالانکہ وہ آپ سے غائب ہیں اور جو آپ کے بعد آئیں گے ان کا حال آپ کے نزدیک کیا ہے؟ فرمایا کہ میں اپنے محبت کرنے والے (غلاموں) کا درود خود سماعت فرماتا ہوں۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ اہل محبت کا درود سماعت فرماتے ہیں اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی انسان اس وقت تک مومن ہی نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے دل میں سرکار دو عالم ﷺ کی محبت نہ ہو۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ کا مشہور فرمان ہے:

''لا یومن احدکم حتی اکون احب الیه من والده و ولده والناس اجمعین''

(صحیح بخاری: کتاب الایمان' باب حب الرسول ﷺ من الایمان، رقم الحدیث: 15-14' صحیح مسلم: رقم الحدیث: 44' سنن نسائی: رقم الحدیث: 5030' سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 67' مسند ابوعوانہ: جلد 1' ص 33' مسند دارمی: 2741' مسند ابویعلیٰ: 3049' صحیح ابن حبان: 179' شعب الایمان: 1374' المعجم الاوسط: 2854' مسند احمد: 12814)

ترجمہ: ''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے والد' اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا اور محبوب نہ ہو جاؤں۔''

سو جب ہر مومن کو آپ سے محبت ہے تو اس پر اہل محبت کا اطلاق درست ہے۔ سو جب وہ اہل محبت ہے تو حضور اقدس ﷺ کے فرمان کے مطابق سرکار ﷺ اس کے درود کو بنفس نفیس سماعت فرماتے ہیں۔ اس معنیٰ و مفہوم کی تائید میں

یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں:

"عن ابی درداء رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ: "اکثروا الصلوٰۃ علی یوم الجمعۃ فانہ یوم مشھود تشھدہ الملائکۃ' لیس من عبد یصلی علی الا بلغنی صوتہ حیث کان قلنا و بعد و فاتک قال و بعد وفاتی ان اللّٰہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔"

(جلاء الافھام: الباب الاول ما جآء فی الصلوٰۃ علی رسول اللہ ﷺ، ص 63' رقم الحدیث:110' دارالکتاب العربی بیروت)

ترجمہ: "حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر کثرت کے ساتھ درود پڑھو پس بے شک وہ حاضریٔ ملائکہ کا دن ہے۔ جو بندہ بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے وہ جہاں کہیں بھی ہو۔ ہم نے عرض کیا: آپ کی وفات کے بعد بھی؟ فرمایا: اور میری وفات کے بعد بھی۔ بے شک اللہ عزوجل نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھانا حرام فرما دیا۔"

قارئین کرام! ملاحظہ فرمائیں کہ حضور اکرم ﷺ نے کتنی وضاحت و صراحت کے ساتھ اپنی صفت سماعت کو بیان فرمایا کہ میرا جو غلام بھی مجھ پر درود و سلام پڑھتا ہے اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے۔ تو کیا اس فرمان کے بعد بھی حضور اقدس ﷺ کی صفت سماعت کے اعجاز' وسعت اور انفرادیت میں شک و تردد کیا جا سکتا ہے؟ کیا اب بھی یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ حضور اکرم ﷺ فقط قریب کے غلاموں کا درود سماعت فرماتے ہیں اور دور والوں کا درود نہیں سن سکتے؟ یہ کہنے والا یا تو حضور اقدس ﷺ کے فرمان کو دل و جان سے نہیں مانتا یا رب العزت کی قدرت

میں شک کرتا ہے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ اس حدیث کے بعد بھی سرکار دو عالم ﷺ کے سماع عن البعید کا انکار کیا جائے۔

یہاں تک آپ کے سامنے تقریباً 42 عدد دلائل تو یہ ذکر کیے ہیں اور اگر سماع عن البعید کے امکان پر دلائل' نیز علماء کی تفاسیر' شروحات واقاویل کو ملایا جائے تو یہ دلائل 100 سے متجاوز ہیں۔ اللہ رب العزت حق کو سمجھنے اور عقیدہ اہلسنّت کی معرفت عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین ﷺ۔

ایک سوال اور اس کا جواب

سوال: بعض لوگ اپنی کم فہمی' کج روی اور نادانی کے باعث جب ان ٹھوس' وزنی اور قوی دلائل کا کوئی معقول جواب نہیں دے پاتے تو ان سب دلائل کو یہ کہہ کر یکسر رد کر دیتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی یہ سب شانیں آپ کی حیات ظاہری تک ثابت تھیں۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے لیے ان شانوں کا ثبوت نہیں۔ دراصل جن لوگوں کے قلوب محبت وعظمت مصطفیٰ ﷺ کے عقیدہ سے خالی ہوں اور جن کی تمام تر مساعی غیر محمودہ کا مرکز اور شب و روز کی جدوجہد کا مقصد حضور اقدس ﷺ کی عظمت کا کتمان بلکہ آپ ﷺ کی رفعت شان کی توہین و تنقیص ہو' ان سے کچھ بعید نہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی صفات جمیلہ اور محاسن حمیدہ پر مشتمل ہزاروں آیات واحادیث سے صرف نظر کریں۔ یہ اگرچہ ایک سطحی اور غیر معقول سا اعتراض ہے جس کے جواب میں کوئی زیادہ لمبے چوڑے دلائل دینے کی حاجت نہیں لیکن اس ایک اعتراض کی بناء پر حضور اقدس ﷺ کی نہ صرف صفت سماعت کا انکار کیا جاتا ہے بلکہ آپ کے وسیع تصرفات واختیارات اور آپ کی قوت بصارت بلکہ جمیع کمالات کا فقط یہ کہہ کر انکار کر دیا جاتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے یہ

کمالات، معجزات اور شانیں فقط آپ کی حیات ظاہری تک تھیں بعد از وصال ثابت نہیں لہٰذا انشاء اللہ تعالیٰ ہم اس سوال کا تفصیلی جواب عرض کرتے ہیں، اور جواب کو دو حصوں میں منقسم کرتے ہیں۔

1- اجمالی جواب 2- تفصیلی جواب

اجمالی جواب

جن لوگوں نے نظر ایمان و محبت، نگاہ بصیرت و فہم سے قرآن مجید، فرقان حمید میں تدبر کیا ہے۔ انہیں معلوم ہے نبی مکرم ﷺ کی اللہ رب العزت کی بارگاہ میں وجاہت، عظمت، عزت اور علو مرتبت کیا ہے۔ وہ مالک، خالق، معبود ہو کر بھی اپنے حبیب مکرم ﷺ کو کتنا اعزاز و اکرام عطا کرتا ہے۔ اس ذات عالی کی اپنے حبیب ﷺ سے انداز محبت ملاحظہ فرمایئے کہ وہ اپنے حبیب ﷺ کی بارگاہ کا ادب خود بیان فرماتا ہے۔ کلام کس طرح کرنا ہے، پکارنا کس طرح ہے، ان کے ساتھ چلنا کس طرح ہے، کون سا لفظ ان کے لیے استعمال کرنا ہے کون سا نہیں کرنا، ان کے در دولت میں بیٹھنے کے آداب کیا ہیں۔ وہ اگر محو استراحت ہوں تو تمہارا طرز ادب کیا ہونا چاہیے اور صرف یہ نہیں بلکہ پورے قرآن مجید میں وہ رب ہو کر محبوب کے اعضاء کا، محبوب کی اداؤں کا، محبوب کے شہر کا، اور محبوب کی نسبتوں کا ذکر کرتا ہے۔ محبوب کی اطاعت و فرمانبرداری، بیعت و رضا اور ادب کو اپنی طاعت و فرمانبرداری، اپنی بیعت اور رضا اور اپنی بارگاہ کا ادب قرار دیتا ہے۔ سوچیے ایسی محبت کے کرنے والے خدا عزوجل کا اپنے حبیب مکرم ﷺ سے کیا ایسا طرز عمل ہو سکتا ہے کہ جونہی حضور اقدس ﷺ کا وصال ہوا تو العیاذ باللہ تعالیٰ محبوب کی حیات، سماعت و بصارت، ادراک و شعور اور جملہ اختیارات و کمالات کو سلب کر لیا۔ محبوب کو تمام عظمتوں سے یکسر محروم کر دیا۔ کتنی ناقدری کرتے ہیں ایسے لوگ اللہ رب العزت اور اس کے حبیب ﷺ کی۔ سنیے اور گوش ہوش کے ساتھ سنیے رب کائنات نے

بالکل واضح انداز میں فرمایا:

1- "وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى." (الضحیٰ:4)

ترجمہ: "اور (اے حبیب مکرم!) ضرور آخرت آپ کے لیے دنیا سے بہتر ہے۔"

یعنی دنیا میں آپ کی جتنی تکریم و عزت ہے اس سے اعلیٰ تکریم و عزت آخرت میں ہوگی۔

دنیا میں آپ کی جتنی شانوں کا' عظمتوں کا' محامد و محاسن کا ظہور ہوا اس سے بدرجہ اتم ظہور آخرت میں ہوگا۔ آج تو آپ کی شانوں کے بہت سے منکر و معاند ہیں آخرت میں ہر بندہ اپنی آنکھوں سے آپ کی منزلت کو دیکھے گا۔ نیز اہل عرفان کے نزدیک حضور اکرم ﷺ کا علم و معرفت' حسن و جمال' رعنائی و زیبائی سماعت و بصارت ہر لحہ ترقی پذیر ہے۔ حضور اقدس ﷺ ہر آن اپنی شان کے اعتبار سے پچھلے لحہ سے اکمل و ارفع ہیں۔ اور یہ بھی سمجھ لیں' قبر و برزخ' آخرت کی منازل میں سے منزل اولیٰ ہے۔

چنانچہ حدیث پاک میں ہے:

"ان القبر اول منزل من منازل الاخرة"

(سنن ترمذی: کتاب الزھد، باب ماجآء فی ذکر الموت، رقم الحدیث:2308' دارالمعرفہ بیروت' سنن ابن ماجہ: کتاب الزھد' باب ذکر القبر، رقم الحدیث:4267' دارالسلام ریاض)

اور اللہ رب العزت نے بھی فرمایا:

"يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ". (ابراہیم:27)

ترجمہ: "اللہ (رب العزت) ایمان والوں کو دنیا کی زندگی میں بھی حق بات پر ثابت و مستقیم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی۔"

اور حدیث پاک میں ہے کہ یہاں ''آخرت'' سے مراد قبر ہے۔

معلوم ہوا کہ قبر و برزخ میں حضور اقدس ﷺ کی قوت سماعت بلکہ ہر شان دنیوی حیات کی بہ نسبت زیادہ درجہ کمال فضیلت میں ہے۔

2- اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ''. (ابراہیم:7)

ترجمہ: ''اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور بالضرور تمہیں زیادہ عطا کروں گا۔''

یعنی رب عزوجل کی شان تو یہ ہے کہ اگر بندہ اس کا شکر کرے تو وہ نعمت سلب کرنا تو کجا نعمت و احسان بڑھا دیتا ہے، اور شکر کی بہترین شکل نماز' ذکر' حمد اور قرآن کی تلاوت ہے، اور احادیث صحیحہ سے انبیاء' اولیاء بالخصوص تاجدار کائنات ﷺ کا قبر انور میں اللہ رب العزت کی حمد اور اس کا شکر کرنا ثابت ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مررت علی موسیٰ و هو یصلی فی قبره''

(صحیح مسلم: کتاب الفضائل، باب من فضائل موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، رقم الحدیث: 6158' 6157، دارالکتاب العربی بیروت' سنن نسائی: رقم الحدیث: 1631)

ترجمہ: ''میں موسیٰ علیہ السلام پر سے گزرا تو وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔''

اور ایک صحابی کا قبر میں سورۃ ملک کی تلاوت کرنا ثابت ہے۔

(جامع ترمذی: کتاب فضائل القرآن، باب ماجآء فی سورۃ الملک، رقم الحدیث: 2890، دارالمعرفۃ بیروت)

اور خاص حضور اقدس ﷺ کے حمد و شکر پر یہ حدیث دلیل ہے کہ فرمایا:

"حیاتی خیر لکم و مماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم ما کان من حسن حمدت الله علیه و ما کان من سیئی استغفرت الله لکم"

(مسند البزار: رقم الحدیث:845، مجمع الزوائد: ج9' ص24، البدایہ والنھایہ: جلد4' ص257' الطبقات الکبریٰ: جلد 2' ص149، دارالکتب العلمیۃ بیروت، الجامع الصغیر: رقم الحدیث:3771، الوفا:ص860)

ترجمہ: "میری حیات بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور میری موت بھی تمہارے لیے بہتر ہے۔ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ پس اچھے اعمال پر میں اللہ عزوجل کا شکر ادا کرتا ہوں اور برے اعمال پر تمہارے لیے اللہ (عزوجل) سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔"

حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم علیہ السلام اپنی قبر انور میں بھی اللہ عزوجل کی حمدوثنا کرتے ہیں اور مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ حمد وشکر کرنے سے نعمت و احسان میں اضافہ ہوتا ہے نہ کہ نعمت کو سلب کیا جاتا ہے۔ لہٰذا روز روشن کی طرح معلوم ہوا کہ حضور اقدس علیہ السلام کے کمالات' علم و معرفت' حسن و جمال اور سماعت و بصارت' روز افزوں ترقی افروز ہے۔

تفصیلی جواب

تفصیلی جواب کو سمجھنے سے پہلے تمہیداً ایک مقدمہ ذہن نشین کر لیں کہ اہلسنّت کے نزدیک ایک عام انسان کے لیے قطع نظر اس سے کہ وہ مومن ہے یا کافر قبر میں زندگی و حیات ثابت ہے۔ بلکہ حیات برزخیہ میں اس انسان کا ادراک' شعور' احساس سماعت اور بصارت دنیا کی زندگی سے زیادہ قوی ہو جاتا ہے۔ مومن کے اکرام و اعزاز کے لیے اور کافر کے عذاب کے لیے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ

رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ''. (الانبیاء:35)

ترجمہ:''ہر نفس نے موت کو چکھنا ہے۔''

اس آیت میں اللہ رب العزت نے موت کو ذائقہ کے ساتھ تعبیر فرمایا۔ کیوں کہ جس طرح کسی بھی چیز کے ذائقہ کو استقرار نہیں ہوتا۔ بلکہ چند لمحات کے لیے اس کے ذائقہ کی کیفیت طاری ہوتی ہے، اور پھر بہ دستور پہلے والی کیفیت ہوتی ہے۔ سو اسی طرح موت اس چیز کا نام نہیں کہ جس سے انسان بالکل بے شعور و ادراک اور جامد محض ہو جائے۔ چند لمحات کے لیے موت کی کیفیت بدن انسانی پر طاری ہوتی ہے اور پھر اس کو دنیوی حیات سے حیات برزخیہ کی طرف منتقل کر دیا جاتا ہے۔ ایک اور مقام پر اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ''. (البقرۃ:28)

ترجمہ:''تم اللہ (عزوجل) کا انکار کیسے کر سکتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے (یعنی عدم محض) پس اس نے تمہیں زندہ فرمایا (یعنی حیات دنیوی کے ساتھ) پھر تمہیں موت دیتا ہے (یعنی موت معروف) پھر تمہیں زندہ فرماتا ہے (یعنی حیات برزخیہ کے ساتھ) پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے (یعنی آخرت کی طرف)۔''

اس آیت کریمہ میں انسانی حیات کے پانچ مراحل بیان فرمائے ہیں:

۱۔ ''کنتم امواتاً'' (تم مردہ تھے) مردہ ہونے کا مفہوم بظاہر یہ ہے کہ کوئی چیز موجود ہو کر مر جائے مگر اس مقام پر انسانی زندگی کے عالم وجود میں آنے سے پہلے کی حالت کو تشبیہاً موت قرار دیا جا رہا ہے۔

۲۔ ''فاحیاکم'' (پس اللہ عزوجل نے تم کو زندہ کیا) اس سے مراد یہ ہے کہ

انسان کو عدمِ محض سے نکال کر حالت وجود میں لا کھڑا کیا۔

۳۔ ''ثم یمیتکم'' (پھر وہ تمہیں دوبارہ مارے گا) یعنی جس خدا عزوجل نے تم کو عالم عدم سے نکال کر عالم وجود میں پہنچایا ہے وہ تمہیں باردگر موت سے دوچار کرے گا۔

۴۔ ''ثم یحییکم'' (پھر وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا) یعنی قبر و برزخ میں اس لیے کہ آخرت میں لوٹائے جانے کا بیان اگلے حصہ یعنی

۵۔ ''ثم الیہ ترجعون'' میں ہے۔

نیز میت کے احساس وشعور اور اس کی حیات برزخیہ پر واضح دلیل یہ ہے کہ بکثرت آیات اور احادیث مشہورہ متواترہ سے قبر کا عذاب ثابت ہے اور جمیع اہلسنّت کا اس پر اتفاق و اجماع ہے۔ چنانچہ حافظ ابن قیم نے کتاب ''الروح'' میں کہا:

''فهو متفق عليه بين اهل السنة. قال المروزی: قال ابو عبدالله. عذاب القبر حق لا ينكره الاضال مضل''

(کتاب الروح: ص82، فصل فی ان عذاب القبر حق باتفاق اهل السنة دارالحدیث قاہرہ)

ترجمہ: ''عذاب قبر پر اہل السنۃ کا اتفاق و اجماع ہے۔ مروزی نے کہا کہ ابوعبداللہ نے فرمایا: عذاب قبر حق ہے، اور عذاب قبر کا منکر وہی ہے جو گمراہ ہے اور گمراہ کرنے والا ہے۔''

عذاب قبر کی حقیت پر چند دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''مِمَّا خَطِيْئَاتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَاراً''. (نوح:25)

ترجمہ: ''(حضرت نوح علیہ السلام کے مخالفین) اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق کیے گئے اور فوراً آگ میں داخل کر دیئے گئے۔''

آیت کریمہ میں ''ادخلوا'' پر حرف فاء داخل ہے اور عربی زبان میں حرف ''فا'' تعقیب مع الوصل کے لیے استعمال ہوتا ہے اور حکم میں فوری ترتب کا تقاضا کرتا ہے۔ جس کا صریح مفہوم ہے کہ کفار کو غرق کرنے کے فوراً بعد آگ میں داخل کیا گیا' اور فوراً بعد آگ میں داخل کیا جانا ظاہر ہے کہ قیامت و آخرت میں تو نہیں اس لیے کہ ابھی قیامت و آخرت کا وقوع نہیں ہوا۔ تو لامحالہ یہ دخول عذاب و نار برزخ میں ہے۔ اسی معنی کی تائید میں فخر المفسرین امام فخر الدین رازی اپنی مشہور تفسیر الکبیر میں رقم طراز ہیں:

''تمسک اصحابنا فی اثبات عذاب القبر بقوله (اغرقوا فادخلوا نارا) و ذالک من وجهین الاول ان الفاء فی قوله ''فادخلوا نارا'' تدل علی انه حصلت تلک الحالة عقیب الاغراق فلا یمکن حملها علی عذاب الاخرة و الا بطلت دلالة هذه الفاء، الثانی انه قال فادخلوا علی سبیل الاخبار عن الماضی و هذا انما یصدق لو وقع ذلک.''

(التفسیر الکبیر: ج 11' ص 131، دار الفکر بیروت)

ترجمہ: ''ہمارے اصحاب (یعنی اہلسنّت) نے عذاب قبر کے اثبات میں اللہ عزوجل کے قول (اغرقوا فادخلوا نارا) سے دلیل پکڑی ہے اور یہ دلیل پکڑنا دو طریقوں پر ہے: پہلا اللہ عزوجل کے قول فادخلوا نارا پر فا داخل ہے اور یہ اس پر دلیل ہے کہ یہ حالت عذاب غرق کرنے کے فوراً بعد حاصل ہوئی پس اس سے آخرت کا عذاب مراد لینا درست نہیں ہے۔ ورنہ فاء کا معنیٰ باطل ہو جائے گا اور دوسرا یہ کہ اللہ عزوجل نے گزرے ہوئے زمانے کی خبر دیتے ہوئے فادخلوا کے الفاظ ارشاد فرمائے اور یہ خبر اسی وقت

ہوگی جب ان پر عذاب واقع ہو چکا ہوگا۔''

-2 اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءَ الْعَذَابِ. اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ قف اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ''. (المومن:46-45)

ترجمہ: ''فرعون اور اس کے متبعین کا سخت ترین عذاب نے احاطہ کر لیا وہ صبح و شام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (تو اللہ رب العزت ملائکہ کو حکم فرمائے گا) فرعونیوں کو شدید ترین عذاب میں داخل کرو۔''

استدلال

اس آیہ کریمہ میں آل فرعون پر برے عذاب اور انہیں صبح و شام آگ پر پیش کرنے کا بیان ہے۔ اس کے بعد ذکر فرمایا کہ قیامت کے روز فرعونیوں کو شدید ترین عذاب میں داخل کیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ عذاب جس کا ذکر پہلے حصہ میں ہے وہ قیامت کے عذاب کا بیان نہیں بلکہ وہ برزخ کے عذاب کا بیان ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے بھی اپنی صحیح میں اس آیت کریمہ سے اثبات عذاب قبر پر استدلال و استشہاد کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(صحیح بخاری: کتاب الجنائز، باب ماجآء فی عذاب القبر، دارالکتاب العربی بیروت)

نیز امام فخر الدین رازی نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

''احتج اصحابنا بهذه الاية على اثبات عذاب القبر.''

(التفسیر الکبیر: جلد9' جزو 27' ص67، دارالفکر بیروت)

ترجمہ: ''ہمارے اصحاب نے اس آیہ کریمہ سے عذاب قبر کے اثبات کا استدلال کیا ہے۔''

اثبات قبر پر چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

اثبات عذاب قبر پر احادیث

1- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت ان کے پاس آئی تو اس نے قبر کے عذاب کا ذکر کیا اور کہا کہ اللہ عزوجل تمہیں عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے قبر کے عذاب کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا:

"نعم عذاب القبر حق."

ترجمہ: "ہاں عذاب قبر برحق ہے۔"

(صحیح بخاری: کتاب الجنائز، باب ماجآء فی عذاب القبر، رقم الحدیث:1372، دارالکتاب العربی بیروت۔ صحیح مسلم: رقم الحدیث:587-584، جامع ترمذی: رقم الحدیث:3420، سنن النسائی: رقم الحدیث:1309، سنن ابی داؤد: رقم الحدیث:766۔ سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث:1263، موطا امام مالک: رقم الحدیث:446، مسند احمد: رقم الحدیث:26163)

2- حضرت شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

(یثبت اللّٰہ الذین اٰمنو) "نزلت فی عذاب القبر."

ترجمہ: "یہ آیت (یثبت اللّٰہ الذین اٰمنو) عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی۔"

(صحیح بخاری: کتاب الجنائز، باب ماجآء فی عذاب القبر، رقم الحدیث:1369۔ سنن ترمذی:1059۔ سنن نسائی:1933، سنن ابی داؤد:4750 صحیح ابن حبان: رقم الحدیث:206، مصنف ابن ابی شیبہ: جلد3، ص377، مسند احمد: رقم الحدیث:184، جامع المسانید لابن جوزی: رقم الحدیث:645)

3- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"انما مر رسول اللّٰہ ﷺ علی یھودیۃ یبکی علیھا

اهلها فقال: انهم ليبكون عليها و انها لتعذب فی قبرها"
(صحیح بخاری: کتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ یعذب المیت ببعض بکاء اهله علیه، رقم الحدیث:1289)

ترجمہ: ''نبی کریم ﷺ کا گزر ایک یہودیہ (کی قبر) کے پاس سے ہوا جس پر اس کے گھر والے رو رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ بے شک وہ اس پر رو رہے تھے حالانکہ اس کو قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے۔''

4- "عن عمر رضی اللّٰه عنه عن النبی ﷺ "الميت يعذب فی قبره بما نيح عليه"
(صحیح بخاری: کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من النیاحۃ علی المیت رقم الحدیث:1292)

ترجمہ: ''حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میت پر جو نوحہ کیا جاتا ہے اس وجہ سے میت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے۔''

5- عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما عن النبی ﷺ انه مر بقبرين فقال يعذبان و ما يعذبان فی كبير اما احدهما فكان لا يستتر من البول و اما الاخر فكان يمشی بالنميمة."

(صحیح بخاری: کتاب الجنائز، باب الجریدۃ علی القبر، رقم الحدیث:1361)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ دو قبروں پر سے گزرے فرمایا: ان دو قبروں والوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور گناہ کبیرہ کی وجہ سے عذاب نہیں دیئے جا رہے بلکہ ان میں سے ایک پیشاب کے چھینٹوں سے اپنے آپ کو

نہیں بچاتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا۔'' (الیٰ آخر الحدیث)

6- ''عن زید بن ثابت قال بینما النبی ﷺ فی حائط لبنی نجار علی بغلة له و نحن معه' اذ حادت به' فکادت تلقیه' واذا اقبر ستة او خمسة او اربعة فقال من یعرف اصحاب هذه الاقبر فقال رجل انا. فقال متیٰ مات هولاء؟ قال ماتوا فی الاشراک. فقال ان هذه الامة تبتلی فی قبورها فلو لا ان لا تدافنو الدعوت اللّٰه ان یسمعکم من عذاب القبر الذی اسمع منه.''

(صحیح مسلم: کتاب الجنة و وصفة نعیمها، باب عرض مقعد المیت من الجنة او النار، رقم الحدیث:2868، دارالکتاب العربی)

ترجمہ: ''حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ بنی نجار کے ایک باغ سے گزرے اپنے خچر پر سوار ہو کر۔ اور ہم آپ ﷺ کے ساتھ تھے کہ آپ ﷺ کا خچر بدکا قریب تھا کہ آپ زمین پر تشریف لے آتے۔ اچانک چھ یا پانچ یا چار قبریں نظر آئیں۔ تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ان قبر والوں کو کون جانتا ہے؟ تو ایک آدمی نے عرض کی کہ میں۔ فرمایا: یہ کب مرے تھے؟ عرض کی: حالت شرک میں مرے تھے۔ فرمایا: بے شک اس امت کی قبر میں آزمائش کی جائے گی اور اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن نہیں کرو گے تو میں اللہ عزوجل سے دعا کرتا کہ تمہیں بھی وہ عذاب قبر سنوا دے جو میں سن رہا ہوں۔''

7- ''عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال رسول اللّٰه ﷺ: یسلط علی الکافر فی قبره تسعة و تسعون

تنینا، تلدغة حتی تقوم الساعة"

(مسند احمد: جلد5، صفحہ 103، رقم الحدیث: 11642، سنن ترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ، رقم الحدیث: 2460۔ مسند دارمی: رقم الحدیث: 2815)

ترجمہ: ''کافر پر اس کی قبر میں ننانوے سانپ مسلط کیے جائیں گے۔ جو اس کو قیامت تک ڈستے رہیں گے۔''

8- قال رسول اللہ ﷺ: انما القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النار". (سنن ترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ)

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔'' (یعنی کافروں اور منافقوں کے لیے)

ان تمام آیات و احادیث سے روز روشن کی طرح معلوم ہوا کہ عذاب و ثواب قبر، ثابت اور برحق ہے، اور اس کا انکار غوایت و گمراہی ہے، اور میت کو قبر میں جبھی عذاب یا ثواب دینا ممکن ہے جب اس میں احساس، ادراک اور شعور موجود ہو۔ اس لیے کہ اگر وہ پتھر کی طرح جامد محض ہے تو اسے عذاب یا ثواب دینے کا فائدہ کیا ہوگا؟ سو معلوم ہوا کہ عذاب و ثواب تب متحقق ہوگا جب اس میں احساس لذت و الم ہو، اور احساس، ادراک و شعور کا متقضیٰ حیات ہے۔ بغیر حیات کے احساس کس طرح ہو سکتا ہے جس سے قطعی طور پر معلوم ہوا کہ عام میت خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان اپنی قبر میں زندہ ہے۔ اسی طرح بکثرت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ میت کو معلوم ہوتا ہے کہ غسل دینے والا کون ہے؟ کفن پہنانے والا کون ہے؟ قبر میں رکھنے والا کون ہے؟ نیز میت کے چیخنے، پکارنے کا ذکر بھی احادیث میں موجود ہے۔ میت سے قبر میں سوال و جواب کا ذکر بھی موجود ہے۔ اور یہ سب لوازمات حیات ہیں۔ بغیر حیات و شعور کے یہ کلام و افعال متحقق نہیں ہو سکتے۔ اس

موقع پر تفصیل کی گنجائش نہیں۔ جو مطالعہ کرنا چاہے وہ صحیح بخاری کتاب الجنائز، شرح الصدور، التذکرۃ، کتاب الروح، جلاء الصدور اور حیاۃ الموۃ کا مطالعہ کرے۔ لیکن چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

"عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ ان النبی ﷺ قال: "ان المیت یعرف من یغسلہ و یحملہ و یکفنہ و من یدلیہ فی حفرۃ"

(مسند احمد: جلد5، ص6، رقم الحدیث:11289، المعجم الاوسط:7438)

ترجمہ: "حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میت اپنے غسل دینے والے، اٹھانے والے، کفن پہنانے والے اور قبر میں اتارنے والے کو پہچانتی ہے۔"

حافظ ابن قیم نے لکھا:

"وقد تواترت الاثار بان المیت یعرف زیارۃ الحی لہ و یستبشر بہ". (کتاب الروح: ص8، دارالحدیث قاہرہ)

ترجمہ: "احادیث و آثار اس بارے میں درجہ تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں کہ بے شک میت زندہ کی اس کے ساتھ ملاقات کو پہچانتی ہے اور اس سے خوش ہوتی ہے۔"

"عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ ﷺ قال: اذا وضعت الجنازۃ، واحتملھا الرجال علی اعناقھم، فان کانت صالحۃ قالت: قدمونی وان کانت غیر صالحۃ قالت یا ویلھا این یذھبون بھا یسمع صوتھا کل شیء الا الانسان، ولو سمعہ لصعق".

(صحیح بخاری: کتاب الجنائز، باب حمل الرجال الجنازۃ دون النساء، رقم الحدیث:1314' سنن نسائی: 1908' مسند احمد: 11372' شرح السنۃ: 1482' مسند ابن یعلیٰ:1265' صحیح ابن حبان: 3038' السنن الکبریٰ: 2036' سنن بیہقی: جلد3' ص22)

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب جنازہ رکھ دیا جاتا ہے اور مرد اس کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیتے ہیں تو اگر میت نیک ہے تو کہتی ہے: مجھے جلدی لے چلو (کیوں کہ اس کی قبر جنت کا باغ ہے) اور اگر میت بری ہو تو کہتی ہے: ہائے بربادی وہ مجھے کہاں لے کر جا رہے ہیں؟ اس کی آواز کو انسان کے ماسوا ہر چیز سنتی ہے اور اگر انسان سنے تو بے ہوش ہو جائے۔''

3- حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

''یاتیه ملکان فیجلسانه فیقولان له من ربک فیقول ربی اللّٰه فیقولان له ما دینک فیقول دینی الاسلام فیقولان له ما هذا الرجل الذی بعث فیکم قال فیقول هو رسول اللّٰه ﷺ فیقولان ما یدریک؟ فیقول قرأت کتاب اللّٰه فاٰمنت به و صدقت. الی آخر الحدیث.

(سنن ابی داؤد: کتاب السنۃ، باب المسئلۃ فی القبر، رقم الحدیث:4753)

ترجمہ: ''(میت کو دفنا دینے کے بعد) مردہ کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ اسے بٹھاتے ہیں پھر اس سے کہتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ عزوجل ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے: اسلام۔ وہ کہتے ہیں: یہ صاحب کون ہیں

جو تم میں بھیجے گئے ہیں؟ وہ کہتا ہے: آپ رسول اللہ ﷺ ہیں۔
فرشتے کہتے ہیں: تجھے کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہتا ہے: میں نے اللہ عزوجل کی کتاب پڑھی، اس پر ایمان لایا اور اسے سچا مانا۔"

بلکہ حیات برزخی میں میت کا فہم و ادراک' قوت باصرہ اور قوت سامعہ دنیوی حیات کی بہ نسبت زیادہ قوی اور کامل ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ جسد انسانی میں حقیقی سامع' باصر' فاہم اور مدرک انسان کی روح ہے۔ کان' آنکھ اور دماغ' سماعت' بصارت اور ادراک و شعور کے لیے آلہ ہیں، اور جب تک انسان دنیوی حیات کے ساتھ متصف رہتا ہے تو روح گویا کہ بدن کے پنجرے میں قید رہتی ہے، اور اس قید میں ہونے کی وجہ سے اس کی تمام قوتیں محدود رہتی ہیں۔ سو جب انسان پر موت وارد ہوتی ہے تو اس انسان کی روح اس بدن کے پنجرے سے آزاد ہو جاتی ہے، اور اس آزادی کے بعد اس کی روح کی تمام صلاحیتوں کا ظہور تام ہوتا ہے۔ اب اس کی سماعت بھی بڑھ جاتی ہے' بصارت میں بھی تقویت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر روح اعلیٰ علیین میں ہے اور جسم قبر میں' تو ایک معنوی ربط و تعلق کی وجہ سے اگر کوئی اس کی قبر پر جا کر سلام و خطاب کرتا ہے تو روح اعلیٰ علیین میں ہونے کے باوجود اس کے سلام کو سماعت کرتی ہے۔ یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ موت فقط انسان کے جسم پر وارد ہوتی ہے نہ کہ انسان کی روح پر۔ انسان کی روح ہمیشہ کے لیے زندہ رہتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن قیم تحریر کرتے ہیں:

"لا تموت الارواح فانها خلقت للبقاء و انما تموت الابدان' قالوا و قد دلت علیٰ هذا الاحاديث الدالة علیٰ نعيم الارواح و عذابها بعد المفارقة...... الی...... ولو ماتت الارواح لا نقطع عنها النعيم والعذاب"

(کتاب الروح: فصل المسئلۃ الرابعۃ، ص50، دارالحدیث قاہرہ)

ترجمہ: ''ارواح نہیں مرتیں کیوں کہ ان کو بقاء کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ مرتے تو صرف بدن ہیں۔ علماء نے کہا کہ اس بات پر وہ احادیث دلیل ہیں جو ارواح کی لذت اور عذاب پر دلالت کرتی ہیں، اور اگر روحیں بھی مرتیں تو ان سے ثواب اور عذاب منقطع ہو جاتا۔''

علامہ قرطبی متوفی 671ھ بیان کرتے ہیں:

''کل من یقول: ان الروح یموت و یفنیٰ فھو ملحد''

(التذکرۃ: ص114، دار الکتاب العربی بیروت)

ترجمہ: ''ہر وہ آدمی کہ جس نے یہ کہا: روح مر جاتی ہے اور فنا ہو جاتی ہے تو وہ ملحد ہے۔''

امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''لا تموت ارواح الحیاۃ' بل ترفع الی السماء حیۃ''

(شرح الصدور: ص279، موسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت)

ترجمہ: ''زندوں کی روحیں نہیں مرتیں بلکہ ان کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا جاتا ہے۔''

معلوم ہوا کہ جب روح زندہ رہتی ہے اور روح ہی سننے والی' دیکھنے والی اور مرنے کے بعد وہ بدن کی قید سے آزاد ہو جاتی ہے۔ تو یقیناً اس کی قوت سماعت اور قوت بصارت بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس موضوع پر چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

ا۔ حضور نبی مکرم ﷺ نے بدر کے مقتول کفار کو خطاب فرمایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''اطلع النبی ﷺ علی اھل قلیب فقال وجدتم ما وعدکم ربکم حقا فقیل لہ تدعوا امواتا قال ما انتم باسمع

منهم ولكن لا يجيبون" (صحیح بخاری: کتاب الجنائز)

ترجمہ: ''نبی اکرم ﷺ بدر کے کنویں میں پھینکے ہوئے مقتولین کفار پر جا کر کھڑے ہوئے اور فرمایا: کیا تم نے اپنے رب عزوجل کے وعدہ کو سچا پا لیا ہے؟ تو آپ سے عرض کیا گیا: آپ ﷺ مردوں کو پکار رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ لیکن وہ جواب نہیں دیتے (جو تم کو سنائی دے سکے)۔''

2- عن انس رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ:

"ان العبد اذا وضع فی قبره و تولی عنه اصحابه و انه ليسمع قرع نعالهم"

(صحیح بخاری: کتاب الجنائز، باب ماجآء فی عذاب القبر، رقم الحدیث:1338، صحیح مسلم: 2870، سنن ابوداؤد:4752، سنن نسائی: 2049، صحیح ابن حبان: 3120، مسند احمد:12271)

ترجمہ: ''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: جب مردہ کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس لوٹ جاتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔''

3- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ جب کبھی رسول اللہ ﷺ کی رات میرے ہاں ہوتی تو آپ رات کے آخری حصہ میں جنت البقیع کی طرف تشریف لے جاتے اور فرماتے:

"السلام عليكم دار قوم مومنين واتاكم ما توعدون غدا موجلون و انا انشاء الله بكم لا حقون اللهم اغفر لاهل بقيع الغرقد".

ترجمہ: ''سلام ہو تم پر اے قوم مومنین! جس چیز کا تم سے وعدہ

کیا گیا تھا وہ تمہارے پاس آچکا ہے۔ قیامت کے دن تک تمہیں مہلت دی گئی ہے اور ہم بے شک انشاء اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ اے اللہ عزوجل! بقیع غرقد والوں کو بخش دے۔''

حافظ ابن قیم لکھتے ہیں:

''هذا خطاب لمن يعقل و يسمع و لو لا ذلک لکان هذا الخطاب بمنزلة خطاب المعدوم و الجماد السلف مجمعون على هذا و قد تواترت الاثار عنهم بان الميت يعرف زيارة الحی و يستبشر به'' (کتاب الروح)

ترجمہ: ''یہ انداز خطاب اس آدمی کے لیے ہوتا ہے جو کلام کو سنتا اور سمجھتا ہے' اور اگر ایسا نہ ہو تو یہ خطاب بمنزلہ معدوم اور جمادات کے ہوتا۔ حالانکہ اسلاف کا اس بات پر اجماع ہے اور ان سے تواتر کے ساتھ آثار و روایات مروی ہیں کہ میت لوگوں کی زیارت کو جانتا ہے اور اس کی وجہ سے خوش ہوتا ہے۔''

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

''و قد شرع ﷺ لامته ان يسلموا على اهل القبور سلام من يخاطبون فمن يسمع و يعقل''. (شرح الصدور)

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے لیے اہل قبور پر سلام دینے کا جو طریقہ مسنون فرمایا وہ ایسے لوگوں کو سلام دینے والا انداز و اسلوب ہے جو کہ سنتے اور سمجھتے ہوں۔''

محدث دیوبند انور شاہ کشمیری نے لکھا ہے:

''اقول والحديث فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر''. (فیض الباری: جلد2' ص497)

ترجمہ: ''میں کہتا ہوں کہ اموات کے سننے کے بارے میں احادیث درجہ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔''

شبیر احمد عثمانی نے لکھا ہے:

''ان سماع الموتیٰ ثابت وفی الجملة بالاحادیث الکثیرة الصحیحة''. (فتح الملہم: جلد2' ص497)

ترجمہ: ''بے شک سماع موتیٰ جن احادیث سے ثابت ہے وہ تعداد میں بہت زیادہ اور صحیح ہیں۔''

وحید الزمان غیر مقلد نے تحریر کیا:

''و لذالک تسمع الموتیٰ فی القبور سلام الزائرین و کلامھم و یعرفون''. (ھدیۃ المھدی: ص59)

ترجمہ: ''یہی وجہ ہے کہ مردے قبروں میں زائرین کے سلام اور ان کے کلام کو سنتے ہیں اور ان پر سلام بھیجنے والوں کو بھی پہچانتے ہیں۔''

ان دلائل قویہ سے امس و شمس کی طرح واضح ہوا کہ بعد از موت' میت کے ادراکات و احساسات دنیوی حیات کی بہ نسبت زیادہ قوی ہو جاتے ہیں، اور وہ منوں مٹی کے نیچے ہونے کے باوجود قدموں کی آہٹ اور زائرین کے سلام کو سماعت کرتی ہے۔ سو جب ایک عام میت کا حال یہ ہے تو اولیاء و انبیاء کرام بالخصوص سید الانبیاء و المرسلین ﷺ کے بعد از وصال ادراکات و احساسات کیوں کر ختم ہو سکتے ہیں جب کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم ﷺ کی حیات برزخیہ اور عام انسانوں کی حیات برزخیہ کو ایک جیسا قرار نہیں دیا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

''اِنَّکَ مَیِّتٌ وَ اِنَّھُمْ مَیِّتُوْنَ''. (الزمر)

ترجمہ: ''(اے محبوب مکرم ﷺ) آپ بھی وفات پانے والے ہیں اور وہ بھی وفات پانے والے ہیں۔''

اس آیت کریمہ میں واوٗ کو عطف کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور عطف لفظاً اور معناً تغایر کا مقتضی ہے۔ چنانچہ اس پر چند تصریحات ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا عبدالرحمان جامی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''الوائو اصلها العطف و هی دلیل الانفصال''.

(شرح جامی: ص96)

ترجمہ: ''واوٗ جس کی اصل عطف ہے اور وہ انفصال (جدائی) کی دلیل ہے۔''

حافظ ابن قیم نے لکھا:

''حقیقة العطف مغائرة'' (جلاء الافهام: ص112)

ترجمہ: ''عطف کی حقیقت مغائرت ہے۔''

ان تصریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ سید المرسلین حضور نبی کریم ﷺ کی حیات بعد از وصال اور دوسرے لوگوں کی حیات میں برابری نہیں بلکہ آپ کی حیات مبارکہ اپنے جمیع لوازمات کے ساتھ نوعیت و کیفیت اور درجات و مراتب کے اعتبار سے بلند و بالا ہے۔ اس لیے اس آیت مبارکہ میں تخصیص کے ساتھ آپ کے وصال کا ذکر کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ حضور اقدس ﷺ بعد از وصال نہیں سنتے یقیناً عظمت رسالت کا انکار بلکہ آپ ﷺ کی توہین و تنقیص ہے۔

اختتامی کلمات

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین۔

آج مورخہ 08-06-2010 شب بدھ بعد نماز عشاء یہ کتاب اختتام کو پہنچی۔ اللہ جل مجدہ سے دعا ہے کہ اس کتاب کی غلطیوں اور تقصیرات سے درگزر فرمائے اور اس کو اپنی بارگاہ میں قبول دوام عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

محمد عاطف رمضان
غفراللہ تعالیٰ
مرکزی جامع مسجد پرانی عیدگاہ
جھنگ، صدر
0301-7698701


صحابہ عشقِ مصطفیٰ ﷺ
فرید بک سٹال